ماہنامہ عوامی جمہوریت
MONTHLY AWAMI JAMHURIAT
ستمبر 2017 | CPL NO. 279 | شمارہ نمبر-07

اشاعت کا 49واں سال

نقش پا بغاوت کے

علی سردار جعفری

جتنا ظلم سہتے ہیں
اور مسکراتے ہیں
جتنا دکھ اٹھاتے ہیں
اور گیت گاتے ہیں
جبر اور بڑھتا ہے
زہر اور چڑھتا ہے

ظالموں کی شدت پر
ظلم چیخ اٹھتا ہے
ان کے لب نہیں ملتے
ان کے سر نہیں جھکتے
دل سے آہ کے بدلے
اک صدا نکلتی ہے
انقلاب زندہ باد
انقلاب ساماں ہے
ہند کی فضا ساری
نزع کے ہے عالم میں
یہ نظام زرداری

وقت کے محل میں ہے
جشن نو کی تیاری
جشن عام جمہوری
اقتدار مزدوری
غرق آتش و آہن
بے بسی و مجبوری
مفلسی و ناداری

تیرگی کے بادل سے
جنگوؤں کی بارش ہے
رقص میں شرارے ہیں
ہر طرف اندھیرا ہے
اور اس اندھیرے میں
ہر طرف شرارے ہیں
کوئی کہہ نہیں سکتا
کون سا شرارہ کب
بے قرار ہو جائے
شعلہ بار ہو جائے
انقلاب آ جائے

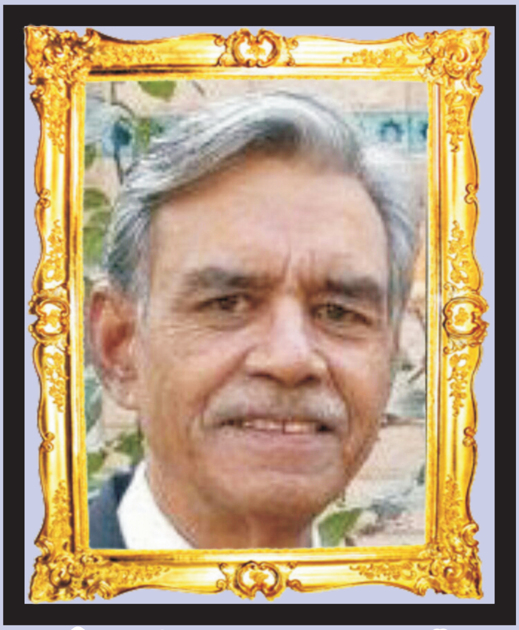

تم ہو ایک زندہ جاوید روایت کے چراغ
تم کوئی شام کا سورج ہو کہ ڈھل جاؤ گے

عوامی ورکرز پارٹی سندھ کے صدر کامریڈ بخشل تھلو حیدرآباد میں پارٹی اسٹڈی سرکل سے خطاب کرتے ہوئے۔

عوامی ورکرز پارٹی کے سینئر نائب صدر یوسف مستی خان کراچی کے مضافات میں KIRA کے زیر اہتمام ایک احتجاجی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے۔

اختر حسین، لاہور پارٹی آفس میں پارٹی عہدیداران کے ہمراہ۔

ضلع سانگھڑ میں ضلعی پورہیت کمیٹی کے قیام کے موقع پر، سندھ پارٹی کے کسان سیکریٹری، کمیٹی کے اراکین کے ہمراہ۔

جنرل سیکریٹری اور مرکزی سیکریٹری اطلاعات جناب اختر حسین اور فرمان علی دورۂ گلگت کے دوران پارٹی کارکنان کے ہمراہ۔

کارکنان حیدرآباد میں منعقدہ اسٹڈی سرکل میں لیکچر سنتے ہوئے۔

سندھ نیشنل کمیٹی کا اجلاس منعقدہ 7 اور 8 اکتوبر۔

شیخوپورہ، پارٹی کے سینئر لیڈر غلام دستگیر محبوب کے اعزاز میں استقبالیہ کے شرکاء۔

جموں کشمیر عوامی ورکرز پارٹی کے زیر اہتمام بابا جان اور دیگر ساتھیوں کی رہائی کے لئے راولپنڈی میں مظاہرے کا انعقاد کیا گیا۔

اوکاڑہ میں کسانوں اور کاشتکاروں کا احتجاجی مظاہرہ۔

پنجاب پارٹی کے صدر جناب عاصم سجاد اسلام آباد میں PIMS کے مظاہرین سے خطاب کرتے ہوئے۔

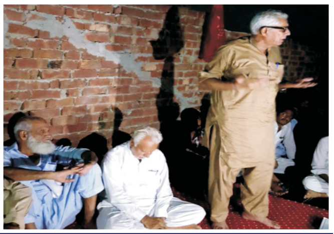

جناب غلام دستگیر محبوب، اپنے اعزاز میں منعقدہ استقبالئے میں خطاب کرتے ہوئے۔

شمارہ نمبر-07

جلد نمبر 13

MONTHLY
AWAMI JAMHURIAT
LAHOR

ماہنامہ عوامی جمہوریت لاہور

CPL NO. 279

ستمبر 2017

قیمت 30 روپے

اداریہ

اختر حسین

کامریڈ نعیم شاکر......علم وعمل کا پیکر

عوامی ورکرز پارٹی کے سینئر رہنما اور مارکسی دانشور کامریڈ نعیم شاکر 7 اکتوبر 2017ء کو 73 برس کی عمر میں ہم سے ہمیشہ کے لئے بچھڑ گئے۔ کامریڈ نعیم شاکر اپنے زمانۂ طالب علمی میں ہی ترقی پسند سیاست کی طرف راغب ہوئے اور نیشنل عوامی پارٹی کے پلیٹ فارم سے اپنی عملی سیاست کا آغاز کیا۔ وہ مارکسزم اور لینزم پر نہ صرف پختہ یقین رکھتے تھے بلکہ اپنی سیاسی زندگی میں علم وعمل کے پیکر تھے۔ 23 مارچ 1971ء کو جب جناب سی آر اسلم اور عابد حسن منٹو کی قیادت میں پاکستان سوشلسٹ پارٹی کی بنیاد رکھی گئی تو اس کے بنیادی اراکین میں سے تھے پھر جب سوشلسٹ پارٹی اور کمیونسٹ لیگ کے ادغام سے پاکستان ورکرز پارٹی قائم ہوئی تو وہ اس کے ڈپٹی جنرل سیکریٹری منتخب ہوئے۔ انہوں نے اس کے بعد بائیں بازو کی مختلف پارٹیوں کے ادغام اور آخیر میں 2012ء میں عوامی ورکرز پارٹی کے قیام تک راہنمایانہ کردار ادا کیا۔ وہ کمیونسٹ نظریات کے تحت بائیں بازو کی وسیع تر پارٹی جو پاکستان کی معاشی وسماجی صورتحال کے تحت بنیادی سماجی تبدیلی کے لئے جدوجہد کرے، کے داعی تھے اور اپنی 50 سال سے زیادہ بھرپور سیاسی زندگی میں اپنے نظریات پر پختہ یقین کے ساتھ محنت کش طبقات اور پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن (P.T.U.F) کے ساتھ بھی منسلک رہے اور اپنی نظریاتی کمٹمنٹ کے ساتھ اقلیتوں کے حقوق اور مذہبی فرقہ واریت وانتہا پسندی کے خلاف مسلسل جدوجہد کرتے رہے۔ وہ سپریم کورٹ کے وکیل تھے اور انسانی حقوق کے داعی کی حیثیت سے توہین رسالت کے الزامات میں گرفتار کئی ملزموں بشمول آسیہ بی بی کے مشہور مقدمے کی ایک نڈر سپاہی کی حیثیت سے پیروی کرتے رہے۔

چوہدری نعیم شاکر بائیں بازو کے مبلغ ماہانہ میگزین ''عوامی جمہوریت'' جو گذشتہ 49 سالوں سے شائع ہو رہا ہے کے کئی سال تک ایڈیٹر رہے۔ وہ گزشتہ ایک سال سے کینسر کے موذی مرض میں مبتلا تھے اور دو ماہ قبل علاج کے لئے اپنے بچوں کے پاس امریکہ گئے تھے اور وہیں انتقال ہو گیا۔ عوامی ورکرز پارٹی، ادارہ عوامی جمہوریت اور ان کے ساتھی کامریڈ نعیم شاکر کو ان کے انقلابی نظریات اور مسلسل عملی جدوجہد پر سرخ سلام پیش کرتے ہیں اور کمیونسٹ اعزاز کے ساتھ رخصت کرتے ہیں۔

پبلشر راجہ محمد ولایت نے پیپلز پریس سے چھپوا کر میکلوڈ روڈ، لاہور سے شائع کیا۔

ایڈیٹر
اختر حسین

مجلسِ ادارت
عابد حسن منٹو
مسلم شمیم، صباء الدین صباء، توقیر چغتائی
عابد شکیل فاروقی

منیجنگ ایڈیٹر
اے. آر. عارف

سرکولیشن منیجر
اشتیاق اعظمی

اس شمارے میں

کامریڈ نعیم شاکر......علم وعمل کا پیکر	ادارہ	1
بیانیہ بدلنے کے ساتھ عملی اقدامات کی ضرورت ہے	ادارہ	2
جنہیں راستے میں خبر ہوئی کہ یہ راستہ کوئی اور ہے	حمزہ ورک	3
غریبوں کی دنیا پر امیروں کا قبضہ	نجم الحسن عطا	6
چی گویرا، ایک انقلاب	اے آر عارف	8
سماج میں عورت کا کردار	وی آئی لینن	9
بدلتا عالمی منظرنامہ اور پاکستان کے مسائل	ریاض احمد شیخ	17
سوشلسٹ انقلاب کے ادبیات پر اثرات	ڈاکٹر جمال نقوی	18
عوامی ورکرز پارٹی کا اعلامیہ	فرمان علی	20
جنرل سیکریٹری AWP کا گلگت اور ہنزہ کا دورہ	فرمان علی	22
غزل	عابد شکیل فاروقی	23
بھگت سنگھ کی سالگرہ کی تقریب کا انعقاد	رپورٹ: ناصر سلیم	24

☆☆☆

لاہور آفس: 5-میکلوڈ روڈ، لاہور، پاکستان
فون: 042-37353309-37357091
فیکس: 94-42-36361531
کراچی آفس: 201-204، پینوراما سینٹر نمبر 1، فاطمہ جناح روڈ، صدر کراچی
Email:awami.jamhuriat@gmail.com

بیانیہ بدلنے کے ساتھ عملی اقدامات کی ضرورت ہے (2)

تین دہائیوں سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے ریاستی پشت پناہی سے پاکستان مذہبی انتہا پسندی، دہشت گردی اور اسلام کے نام پر جہاد کا گڑھ بنا ہوا ہے یہ دہشت گردی اور جہاد امریکی سامراج کی نہ صرف آشیر باد بلکہ تمام مغربی ممالک اور عرب بادشاہوں اور شیوخ کی عملی مدد سے 1979 میں افغانستان کی انقلابی حکومت اور پھر سوویت یونین کی افواج کے خلاف شروع کیا گیا، جہادی قوتوں کو کشمیر میں استعمال کیا گیا اس پالیسی نے نہ صرف افغانستان کو تباہ و برباد کیا وہاں کے عوام کو ہمارا دشمن بنا دیا اور کشمیر کے عوام کی حق خودارادی کی سیاسی جدوجہد کو بے پناہ نقصان پہنچایا بلکہ پاکستان کے اندر مذہبی انتہا پسندی، دہشت گردی، جہادی کلچر اور پورے پاکستانی معاشرے میں عدم برداشت کو فروغ دیا جس کے نتیجے میں پورا پاکستان معاشی، سیاسی و سماجی تباہی کے دہانے پر ہے۔ پاکستان کی ترقی پسند قوتوں نے اس ریاستی پالیسی یا بیانیہ کی ہمیشہ مخالفت کی اور انتباہ کرتے رہے ہیں کہ پڑوسی ملکوں میں جہاد، جہادی پالیسی کی امداد اور مذہبی انتہا پسندی و دہشت گردی کا فروغ ایک دن خود پاکستانی معاشرے کو تباہ کر دے گا اور وہی ہوا۔ ایک طرف مذہبی انتہا پسندوں و دہشت گردوں نے پاکستان کے نہ صرف ریاستی بلکہ تعلیمی اداروں اور مذہبی اقلیتوں پر حملے شروع کئے اور ملک کو معاشی، سیاسی و سماجی طور پر تباہی اور بے یقینی کی صورتحال سے دوچار کیا اور دوسری طرف بین الاقوامی طور پر پاکستان پر دباؤ بڑھنا شروع ہوا کہ وہ ان مذہبی انتہا پسندوں و دہشت گردوں کا خاتمہ کرے۔

گزشتہ دنوں پہلی دفعہ پاکستان کے وزیر خارجہ اور پھر وزیر اعظم اور وزیر داخلہ نے اس دہشت گردی اور انتہا پسندی کے حوالے سے کہا کہ ہمیں ”اپنے گھر کی صفائی کرنا ضروری ہے“ اور اس سے پہلے امریکی صدر ٹرمپ کی جنوبی ایشیاء کے بارے پالیسی اعلان ”ڈومور“ اور امداد بند کرنے کی دھمکی پر پاکستان کے آرمی چیف آف سٹاف نے کہا کہ ”ہمیں امریکی امداد نہیں چاہئے لیکن ہماری قربانیوں کو تسلیم کیا جائے“ پھر ہمارے وزیر خارجہ نے امریکا کے حالیہ دورے میں ایشیاء سوسائٹی کے سیمینار اور برطانیہ میں انٹرویو کے دوران کہا کہ ”حافظ سعید، سپاہ صحابہ اور حقانی نیٹ ورک پاکستان پر ایک بوجھ ہیں“۔

ہمارے حکمرانوں کے یہ بیانات ایک حد تک خوش آئند اور ایک نئے بیانئے کی طرف اشارہ تو کرتے ہیں مگر گزشتہ تین دہائیوں کا بیانیہ نہ تو مکمل طور پر تبدیل ہوا ہے اور نہ ہی اس کو بدلنے کے جس نیشنل ایکشن پلان کا کئی سالوں پہلے اعلان ہوا تھا اس پر عملدرآمد کے لئے مثبت اقدام اٹھائے جا رہے ہیں، پتہ چلتا ہے کہ ریاستی ادارے اور حکمران طبقات اور انکی سیاسی پارٹیاں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ گتھم گتھا ہیں۔

پاکستانی ریاست اور حکمران طبقات کو اب اس بات کا احساس ہونا چاہئے کہ مذہبی انتہا پسندی، دہشت گردی، جہادی تنظیمیں بندوق اور دہشت گردی کے ذریعے اپنے مقاصد حاصل کرنے والا ذہن پاکستانی سماج کی ترقی کے لئے ناسور ہیں اور اس ناسور کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی ضرورت ہے، اب دہری پالیسی اور دوغلہ پن نہیں چلے گا اب تو امریکا اور یورپ کے علاوہ روس اور ہمارے واحد دوست ملک چین نے بھی کہہ دیا ہے کہ کسی بھی قسم کی غیر ریاستی اور عسکری تنظیم کو برداشت نہیں کیا جائیگا مگر ہمارے ریاستی ادارے اپنے سیاسی مقاصد کے لئے اب بھی انہیں استعمال کر رہے ہیں جیسا کہ لاہور کی قومی اسمبلی کی نشست پر ضمنی انتخاب میں ملی مسلم لیگ اور لبیک پاکستان جیسی تنظیمیں کھڑی کر کے استعمال کیا گیا یہ کس سے پوشیدہ ہے کہ ان تنظیموں کے پیچھے کون سے مذہبی انتہا پسند گروہ ہیں اور اعلانیہ انتخاب میں حصہ لیکر اپنی مذہبی انتہا پسندانہ اور متشدد پالیسی کو فروغ دینے کا موقع فراہم کیا گیا ہے، ڈان کے سیرل ایلمیڈا کی 2016 کی اسٹوری کہ ”کچھ ادارے دہشت گردوں کو پکڑتے ہیں اور دوسرے چھوڑ دیتے ہیں“ پر تو بہت شور کیا گیا تھا، مگر حالیہ دنوں انٹیلیجنس بیورو (I.B) کے ایک آفیسر نے اسلام آباد ہائی کورٹ کے سامنے کہا ہے کہ ”انکے سینئر افسران کے دہشت گردوں کے ساتھ رابطے ہیں“ اسکی انکوائری کرائی جائے“، عدالت نے انکوائری کی بجائے وزارت داخلہ سے کہا کہ اس پر غور کرے، اس صورتحال میں ریاستی اداروں کے اندر بھی آپریشن کی ضرورت ہے۔

ہم اس سے پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ مذہبی انتہا پسندی اور دہشت گردی کے خاتمے کے لئے محض فوجی آپریشن حل نہیں ہے بلکہ اس کے لئے کثیر الجہتی پالیسی اور ریاستی اداروں میں یکجہتی کی ضرورت ہے۔ جماعت الدعوہ، انصار الامتہ، اہلسنت والجماعت، لشکر طیبہ، جیش محمد، دفاع پاکستان کونسل، اور خدمت خلق وغیرہ جیسی تنظیمیں جن کی تشکیل میں خود ریاستی اداروں نے مدد کی ہے اور اب انکی جڑیں عوام میں بھی ہیں جو مذہبی تعلیمی اداروں / مدرسوں کے ذریعے ایک انتہا پسند ذہن پیدا کرتے ہیں ان اداروں پر پابندی کے ساتھ اس پورے تعلیمی نظام کو بدلنے کی ضرورت ہے، یکساں دنیاوی تعلیمی نظام نافذ کرنے کی ضرورت ہے، ملک میں دو کروڑ سے زائد بچے بنیادی تعلیم سے محروم ہیں، انکی لازمی تعلیم کے لئے قانون سازی کی ضرورت ہے، پورا معاشرہ عدم تحفظ کا شکار ہے ایک تحقیق کے مطابق گزشتہ دس سالوں میں وفاقی و صوبائی حکومتوں نے پچھتر لاکھ اسلحے کے لائسنس جاری کئے ہیں اور یہ لائسنس صرف مراعات یافتہ اور بالادست طبقات کے افراد کو ہی دئے گئے ہیں جو پہلے ہی عام مخلوق سے زیادہ محفوظ زندگی گزار رہے ہیں، ان تمام لائسنسوں کو منسوخ کر کے پورے معاشرے کو تحفظ دینے کی ضرورت ہے۔ سیاست میں مذہب کے استعمال اور عام انتخابات میں اسلحہ یا اس سے مشابہت الیکشن نشانات پر بھی پابندی ہونی چاہئے، حتیٰ کہ بچوں کے اسلحہ کے کھلونوں پر بھی مکمل پابندی کی ضرورت ہے تا کہ متشدد ذہن نہ بن سکے۔ اگر محروم طبقات کو ترقی پسندانہ فکر سے لیس کر کے سماج کو بدلنے کی تربیت نہ دی جائے تو غربت اور پسماندگی خود انتہا پسندی و دہشت گردی کو جنم دیتی ہے اس لئے پسماندہ اور محنت کش طبقات کے حق میں معاشی پالیسیاں تشکیل دینے کی ضرورت ہے، جن میں زرعی اصلاحات کے ذریعے زمین کی کسانوں، ہاریوں اور کھیت مزدوروں میں مفت تقسیم ضروری ہے تا کہ دیہات کی 60 فیصد سے زیادہ آبادی میں خوشحالی آ سکے کم سے کم یہ اقدامات اٹھائے بغیر ہمارے حکمران جتنے بھی بیان دیں نہ گھر کی صفائی ہوگی اور نہ ہی دہشت گرد تنظیموں اور انتہا پسندوں کے بوجھ سے گلوخلاصی ہوگی۔

’’جنہیں راستے میں خبر ہوئی کہ یہ راستہ کوئی اور ہے‘‘

حمزہ ورک

اسٹالن نے لینن سے اپنی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لینن کو شاہین "The mountain eagle" کہا ہے اور اُس کی کسرِ نفسی، اصولوں سے وفاداری، عوام پر اعتماد اور اُس کے انقلابی جینئس ہونے کا ذکر کیا ہے۔ لینن نے مارکسزم پر مکمل عمل کرتے ہوئے اس میں جو اضافے کئے اُن کے حوالے سے اسٹالن نے لینزم کو ’’سامراج اور پرولتاری انقلاب کا مارکسزم‘‘ کہا ہے یعنی 1901 سے لیکر آج تک کا دور۔ لینن نے مارکسزم میں مندرجہ ذیل اہم ابواب کا اضافہ کیا۔

(1) سامراج اور Monoply سرمایہ داری کا تجزیہ

(2) پرولتاری ڈکٹیٹر شپ

(3) سوشلسٹ اکانومی کی تعمیر

(4) محنت کش طبقے کا قیادتی کردار

(5) قومی اور نوآبادیاتی سوال

(6) محنت کش طبقے کی پارٹی

لینن نے لکھا تھا کہ

’’چند لفظوں میں محنت کش طبقات کے لئے مارکس اور انیگلز کی خدمات کو اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے محنت کشوں کو اپنے آپ کی پہچان کرائی۔ اُنہیں طبقاتی شعور دیا اور خوابوں کی جگہ سائنس دی۔۔۔ پرولتاریہ کی رہائی پرولتاریہ کا ہی کام ہے۔ یہی سکھایا مارکس اور انیگلز نے استقلال سے۔ ٹھیک انہی نکات پر جو اسٹالن نے گنوائے ہیں بعد میں آنے والی پرولتاریہ کی نسلوں اور اُن کی قیادت نے کمزوری اور کجروی دکھائی یعنی لینزم پر ثابت قدم نہ رہے اور دنیا کی پہلی سوشلسٹ ریاست کا خاتمہ ہوگیا۔ یہ ریاست پیرس کمیون سے بہت آگے کا، بہت بڑا تجربہ تھا۔ بہت بڑا قدم تھا۔ فرانس کے اس انقلاب میں (پیرس کمیون 1871ء) جو تجربات ہوئے۔ مارکس اور انیگلز کو ’’کیمونسٹ مینی فسٹو‘‘ تیار کرتے وقت ان تجربات کا ادراک نہ تھا۔ کیونکہ یہ مینی فسٹو 1841ء میں چھپ چکا تھا اور پیرس کمیون 1871ء میں برپا ہوا۔ پیرس کمیون کے تجربہ کے بعد سوشلزم کے اساتذہ بالخصوص لینن نے اس سے بہت کچھ سیکھا اور خود مارکس اور انیگلز کو بھی بہت کچھ سیکھنے کو ملا اور پھر کیمونسٹ مینی فسٹو کے دیباچے میں یہ اسباق اضافے کے طور پر تحریر کئے گئے۔

(1) انقلاب کے وقت ریاستی ڈھانچے کو مکمل طور پر توڑنا۔

(2) زمین، بینک اور بڑی صنعت کا قومی ملکیت میں لینا۔

(3) مزدور طبقے کے اتحادی سب سے بڑی قوت کسان کو اپنے ساتھ ملانا۔

سائنس کی حاصلات ایسے ہی قدم قدم انسانیت کو لے کر آگے بڑھتی رہی ہے اگر ایک سائنسی تجربہ ناکام ہو جائے تو بچہ لوگ تالی پیٹتے ہیں مگر انسانیت قدم قدم انچ انچ آگے ہی آگے بڑھتی ہے۔ اگر کسی ڈاکٹر کے ہاتھوں چند مریضوں کی اموات ہو جائیں تو میڈیکل کالج بند نہیں کر دیے جاتے اور نہ ہی میڈیکل سائنس متروک ہو جاتی ہے اور نہ کوئی صدیوں پرانے ٹونے ٹوٹکے سائنس کی جگہ لے آتا ہے۔ پنسلین جو ایک زمانے میں معجزاتی دوا تھی جب اُس کے کچھ گہرے اثرات سامنے آئے تو اس کا استعمال کم ہوا اور اُس سے بہتر اینٹی بائیوٹک ادویات آگئیں۔۔۔ کسی نے ماتم نہیں کیا۔۔۔ اور نہ ہی گوبر اور شہد کی طرف رجحان کی۔۔۔

سوویت یونین کے زوال کے اسباب بھی کچھ اس طرح تلاش کرنے پڑیں گے۔ اور اس کے بعد کے انقلابات اور تجربات سمیت انسانی سماج کی حاصلات کو سامنے رکھتے ہوئے انسانیت کا قافلہ بڑھتا رہے گا۔

سوویت یونین کے ٹوٹنے اور سوشلزم کی پسپائی پر پیرس کمیون کی طرح بہت کچھ لکھا جاتا رہے گا۔ ان تجزیات سے مختلف پہلو سامنے آتے رہیں گے کچھ لوگوں کی نظریاتی کجی، کچھ طبقات کے لالچ کا، کچھ بیرونی سازش کا، کچھ انقلابی طبقات کی ہوشیاری میں کمی کا پتہ چلتا ہے۔ سلطنتیں ایسے ہی بنتی بگڑتی ہیں۔ انسانیت کا قافلہ بڑھتا رہتا ہے۔ علم اور سائنس ترقی کرتے رہتے ہیں۔ چمگادڑوں کے علاوہ کسی کو اندھیروں سے رجوع کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

ضرورت تو جہدِ مُسلسل کی ہے۔ لگن کی ہے۔ ایمانداری کی ہے علم اور سائنس پر یقین کی ہے۔ سوشلزم کا قافلہ آگے بڑھے گا کہ یہی تاریخ کا سبق ہے۔ پرانی جہالتیں بن سنور کر انقلاب کے قافلے کو گمراہ نہیں کر سکتیں۔ مذہب کی بحالی کی تحریکیں دنیا کو دہشت گردی کے علاوہ کچھ نہیں دے سکیں۔ سامراج کے دور میں پرولتاری انقلاب شافی اور کافی ہوسکتا ہے۔

لیکن اس عمل پسپائی کی شروعات کی کوئی تو حدِ فاضل قائم کرنا پڑے گی؟ اس حدِ فاضل کو محتاط اندازے کے مطابق یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ ’’لینن کی بنائی ہوئی پارٹی (کمیونسٹ پارٹی) کب اور کہاں ختم ہوئی اور شر پسندوں کی شرارت کہاں سے

شروع ہوتی ہے؟

(1) شر پسندوں یا ردِ انقلابیوں کا یہ سفر اسٹالن کی موت کے ساتھ اور سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کی بیسویں کانگرس کے انعقاد کے ساتھ شروع ہوا (1956) میں جب لینن کی بنائی ہوئی کمیونسٹ پارٹی کی نئی لیڈرشپ (خروشچیف) وغیرہ نے اپنے چہرے سے بالشویکی نقاب اتار پھینکے اور یکا یک اس راہنما (اسٹالن) پر حملوں اور کردارکشی کا گند اچھالنا شروع کیا جس نے لینن کی موت کے بعد سوویت یونین اور عالمی کمیونسٹ تحریک کی قیادت کی۔ سامراجیوں اور انقلاب دشمنوں کو شکست دی۔ عالمی جنگوں کا مقابلہ کیا۔ سوشلسٹ حقیقت کی تعمیر کی۔ بڑے پیمانے کی صنعت اور اجتماعی زرعی فارمز بنائے۔ فاشزم کو شکست دی پارٹی میں دائیں بازو کے انتہا پسندوں (بخارن وغیرہ) اور بائیں بازو کے انحراف پسندوں (ٹراٹسکی وغیرہ) کے خلاف نظریاتی فتح حاصل کی۔

(2) بیسویں کانگرس میں ''پرامن بقائے باہمی''، پرامن مقابلہ بازی سے پرامن انتقال اقتدار کا نظریہ اپنایا گیا۔ اس نظریہ کی روشنی میں عالمی سامراج کے ساتھ دوستی سامراج گزیدہ مما لک میں طبقاتی جدوجہد کا خاتمہ نتیجہ کے طور پر سامنے آیا۔

(3) سرخ فوج جو لینن اور اسٹالن کے ادوار میں پارٹی قیادت کے ماتحت تھی اور آفیسرز کی ترقیاں سپاہی انتخاب کے ذریعے کرتے تھے۔ رد انقلاب کی شروعات کے بعد 1960 کے بعد سرخ فوج پارٹی کی بجائے ریاست کے ماتحت کر دی گئی اور آفیسرز کے انتخاب میں بیوروکریٹک طریقہ کار اپنا لیا گیا تا کہ فوج پر گرفت مضبوط ہو سکے۔

(4) پہلی سوشلسٹ ریاست کا قلعہ اندر سے رد انقلاب اور غداروں کے ذریعے فتح ہونا شروع ہوا خروشچیف کا حوصلہ مزید بلند ہوا تو 22ویں پارٹی کانگرس میں پرولتاری آمریت کے بنیادی مارکسی لیننی نظریہ کو خیر آباد کہہ دیا گیا اور سوویت یونین مزدور طبقے کی ریاست کی بجائے عوام کی ریاست قرار دیا گیا۔

(5) اسی طرح پارٹی جو کہ بغیر کسی بحث کے مزدور طبقے کی پارٹی ہوتی ہے اور سامراج کے خاتمے اور عالمی سطح پر انقلاب کی فتح مندی تک مزدور طبقے کے فلسفے کی پارٹی ہے کو عوام کی پارٹی میں بدل دیا گیا اور عملاً ورکنگ کلاس کا داخلہ پارٹی میں معدوم ہوتا چلا گیا۔

(6) خروشچیف کی قیادت میں رد انقلاب کا سفر معاشی میدان میں بھی شروع ہو گیا۔ زرعی میدان میں پرائیویٹ زمینداری، صنعت کی ڈی سنٹرلائزیشن، بڑی صنعت سے چھوٹے پیمانے کی صنعت کی پالیسی کا آغاز ہوا۔ ان پالیسیوں کا پارٹی میں باقی ماندہ لینن کے شاگردوں نے سخت احتجاج کیا اور مالوٹوف کی قیادت میں 21-18 جون 1957 کو پولٹ بیورو کے اجلاس میں خروشچیف کی معاشی پالیسیوں کو سرمایہ داری کی بحالی کا نام دیا گیا۔ 11 میں سے 7 ممبران پولٹ بیورو نے اکثریتی فیصلے سے ان معاشی اصلاحات کو رد کر دیا اور خروشچیف کو سیکرٹری جنرل کے عہدے سے ہٹانے کا حتمی فیصلہ کر لیا۔ یہ فیصلہ اعلان ہونے سے پہلے ہی خروشچیف کے نمک خواروں نے میٹنگ کی جگہ کا گھیرا کر لیا اور پولٹ بیورو کا فیصلہ نہ مانتے ہوئے پوری سنٹرل کمیٹی کا اجلاس طلب کر کے خروشچیف کو نہ صرف بحال رکھا بلکہ مولوٹوف۔ میلکن کوف، اور کاگن وچ کو سنٹرل کمیٹی اور پولٹ بیورو سے نکال دیا گیا۔

(7) 1964 تک خروشچیف اقتدار میں رہا۔ اپنے سات سالہ دور اقتدار میں کا مریڈ سٹالن کے خلاف زہریلا پراپگینڈہ جاری رہا۔ منصوبہ بند معیشت کے ہر پہلو کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا، اسٹالن دور کے بنائے گئے مشین اور پرانے اجتماعی اسٹیشن ختم کر دیے گئے۔ مارکیٹ اکانومی کو حقیقت مین بنیادی دخل دیا گیا۔ امریکی زراعت کا طریقہ کار اختیار کیا گیا۔ وسائل کو بڑے پیمانے پر حقیقت سے پرائیویٹ زراعت کی طرف منتقل کر دیا گیا۔ اور سرمایہ کاری کے تمام منصوبے بڑی صنعت سے چھوٹے پیمانے کی صنعت کی طرف منتقل کر دیے گئے۔ اور یہ سب کچھ سوشلزم کی ترقی کے نام پر کیا جاتا رہا۔

نظریاتی اور طبقاتی محاذ پر بھی لبرلائزیشن کا آغاز کر دیا گیا۔ طبقاتی جدوجہد ''پرولتاری ڈکٹیٹرشپ، اور پارٹی مزدور طبقے کی'' جیسے نظریات کو خیر آباد کہہ دیا گیا اور انقلاب سے قبل سرمایہ داری کے نظریاتی ہتھیاروں فلم، آرٹ، لٹریچر، شاعری اور ناول نگاری کی کھلی اجازت دے دی گئی۔ سوشلسٹ دشمن لٹریچر کی طباعت پر عائد پابندی بھی ختم کر دی گئی۔ نتیجتاً معشیت، سیاست اور ادب وثقافت سرمایہ دارانہ خیالات و تصورات کی واپسی کا آغاز ہو گیا۔

(8) اسٹالن کے دور کا عالمی مزدور اتحاد، سامراج مخالف جدوجہد اور عالمی کمیونسٹ بلاک کی شناخت کو بھی پارہ پارہ کر دیا گیا۔ اور چین کی کمیونسٹ پارٹی پر الزمات کی بھرمار کر کے عالمی کمیونسٹ تحریک کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا گیا۔ اس سامراج نوازی پر 26 مارچ 1962 کو امریکی جریدے نیوز ویک نے لکھا کہ

''نکتا خروشچیف نے اسٹالن عہد کا پختہ اور متحد بلاک تباہ کر دیا ہے جو کہ خروشچیف کی کمیونزم کے لیے نہیں بلکہ مغربی دنیا کے لیے بہترین خدمت ہے''

(ترجمہ (Newsweek 26 March 1962

(9) خروشچیف کے اس ترمیم پسندانہ نقطہ نظر کو چین اور البانیہ کی پارٹیوں سمیت بہت سی عالمی کمیونسٹ پارٹیوں نے بہت ہدفِ تنقید بنایا۔ نتیجۃً کے طور پر چین اور البانیہ کے خلاف خروشچیف نے پرپگینڈہ کا محاذ کھول دیا اور سامراجی طاقتوں کو خوش کرنے کا

کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔

"US News and World Report" نے 30 ستمبر 1963 کو لکھا کہ

"We ought to be grateful for(khrushchev's) mishandling of his relationship with the chinese...we should be grateful for his introducing disarray in to international communism by a lot of quite lumpily and sudden initiatives".

خروشچیف ٹولی نے بطور سیکرٹری جنرل (لینن کی پارٹی کا) اور سربراہ ریاست پہلی سوشلسٹ ریاست کے نظریاتی، معاشی و سیاسی میدان میں ترمیم پسندی کا ایسا سوراخ کر ڈالا جو بعد ازاں گورباچوف کی گلاسناسٹ معشیت کے ذریعے سرمایہ داری اور مارکیٹ اکانومی پر منتج ہوئی۔

خروشچیف اور اُس کے ساتھیوں نے نظریاتی اور معاشی اور سیاسی محاذ کے ساتھ ساتھ تنظیمی محاذ پر بھی ردانقلاب کی قوتوں کو حاوی کر دیا یہ تنظیمی اکھاڑ پچھاڑ ہمہ گیر تھی پارٹی کے ساتھ ساتھ، حکومت، معاشی، ثقافتی اور تعلیمی اداروں سمیت ہر جگہ سے خروشچیف کے نظریاتی مخالفین کو نکال دیا گیا۔ پارٹی کی اُنیسویں کانگرس جو 1952ء میں ہوئی تھی۔ اس کے سنٹرل کمیٹی کے 70% ارکان کو 20/22 ویں کانگرس میں نکال دیا گیا۔ جو کہ بلترتیب 1956 اور 1961 میں منعقد ہوئیں۔ مزید براں مزدور طبقے کی پارٹی نہیں بلکہ عوام کی پارٹی ۔۔۔ لینن کی کمیونسٹ پارٹی کی ممبر شپ عوام کے تمام سیکشنز کے لیے کھول دی گئی۔ وہ پارٹی جس پر انقلاب دشمنوں کے دروازے بند تھے۔ دروازے کھلے تو پارٹی کے پورے سٹرکچر پر غیر پرولتاری طبقے قابض ہو چکی تھیں اور 1980 تک یہ حالت ہو چکی تھی کہ یہ غیر پرولتاری طبقے جس میں وکیل، انجینئرز، ڈاکٹر، زمیندار، جرنیل، بزنس مین شامل تھے پارٹی لیڈرشپ پر مکمل قابض ہو چکے تھے۔

خروشچیف کے بعد برزنیف اور پھر گورباچوف کے دور میں بھی رد انقلاب کے اقدامات جاری و ساری رہے۔ بہت بڑا مافیا پارٹی کے اندر پیدا ہو گیا جن کی اربوں کھربوں کی جائیدادیں تھیں۔ بہت بڑی تعداد میں پیٹی بورژا طبقہ پیدا ہو گیا جن کی تعداد کروڑوں تک پہنچ گئی سمگلنگ اور دیگر غیر قانونی کاروبار نے خوب زور پکڑا۔ اور نہ صرف ریاست کے اندر کئی ریاستیں بن گئیں بلکہ بیک وقت کئی قسم کی متبادل معیشتیں بھی حرکت پذیر ہوئیں۔ اور صورتحال اتنی خراب ہوگئی کہ گوباچوف کے بعد میں ایک رسمی سے اعلان کے ساتھ ہی سرمایہ دارانہ مارکیٹ اکانومی کا باقاعدہ اعلان کر دیا گیا۔ اور وہ بالشویک روس جس کے لیے لاکھوں لوگوں نے جان کا نذرانہ دیا، کئی جنگیں اور سامراجی سازشوں کا مقابلہ کیا۔۔۔ بالآخر کوئی گولی چلے بغیر۔۔۔ شیشے ٹوٹے بغیر ترمیم پسندی اور ردانقلاب کا تیس سال کا سفر طے کر کے 1990 میں ایک سرمایہ دار ملک کے طور پر ظہور پذیر ہوا۔

سوشلزم ایک سماجی اور سیاسی سائنس ہے۔ آسمان سے کامیابی کی گارنٹی لے کر نہیں اتری۔۔۔ سائنس جب عمل میں آتی ہے تو اس میں کامرانیاں بھی ہوتی ہیں اور پسپائیاں بھی۔۔۔ جوں جوں علم بڑھتا ہے تجربات بڑھتے ہیں۔ تجربات کی تلخیص علم کو ایک منزل اوپر لے جاتی ہے۔ تجربوں کے حاصلات ہی دراصل علم کی بنیاد ہیں۔ پیرس کمیون، عظیم اکتوبر انقلاب، چین کا عوامی جمہوری انقلاب تاریخ انسانی کے روشن پڑاؤ ہیں۔

معاشرے میں تبدیلیوں کی رفتار کبھی تیز ہوتی ہے اور کبھی سست۔۔۔ پارٹیاں اور تحریکیں رفتار کو تیز کرنے کا کام کرتی ہیں۔ مگر کبھی یوں ہوا کہ حالات کا رخ ہماری موضوعی خواہشات کے مطابق نہ ہوا تو اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں ہے کہ جدلی مادیت کا فلسفہ غلط ہے یا سماج طبقاتی کشمکش کے ذریعے آگے نہیں بڑھ رہا۔۔۔ یہ کہ آج کا دور سامراج اور مزدور انقلاب کا دور نہیں ۔۔۔ یہ کہ سامراج پر سوشلزم کی فتح ناگزیر نہیں ہے۔۔۔ تاریخ اور سماجی تبدیلی کے بنیادی قوانین اپنی جگہ اٹل ہیں ۔۔۔ یہ ہم ہی ہیں جو وقتی مشکلات سے گھبرا کر مایوس ہو جاتے ہیں۔۔۔ سوشلزم نسل انسانی کا مقدر ہے۔۔۔ مارکس نے ایسے ہی حالات کے بارے میں کہا تھا کہ ''پرولتاری انقلاب انیسویں صدی کے انقلابوں کی طرح لگاتار اپنے آپ پر تنقید کرتے ہیں۔ اپنی رفتار روک لیتے ہیں۔۔۔ واپس آتے ہیں اور اپنے کیے ہوئے کام کو نئے سرے سے دوبارہ کرنے لگتے ہیں۔ اپنی پہلی کوششوں کے نتیجے میں کیے ہوئے کاموں میں خامیوں، حماقتوں اور کمزوریوں پر جی بھر اپنا مذاق اڑاتے ہیں اپنے مدمقابل کو اٹھا کر زمین پر پٹخ دیتے ہیں اور اسے دوبارہ زمین سے نئی طاقت حاصل کر کے اٹھنے کا موقع دیتے ہیں کہ وہ پہلے سے بھی زیادہ قدم جما کر طاقتور ہو کر اُن کے سامنے آ جائے۔ جس منزل مقصود پر پہنچنا ہے اُس سے پہلے جو انجانے مرحلے آتے ہیں اُن کا سامنا کرتے ہوئے بار بار پیچھے ہٹتے ہیں، یہ عمل بار بار دھراتے ہیں جب تک پیچھے ہٹنے کی ساری راہیں کٹنے کی نوبت نہیں آ جاتی اور جب تک خود زندگی پکار کر نہیں کہتی'' جو کہتے تھے کر دکھاؤ''۔ (ہاتھ کنگن کو آرسی کیا)

☆......☆......☆......☆......☆

غریبوں کی دنیا پر امیروں کا قبضہ

تحریر: نجم الحسن عطا

عمومی انداز سے دیکھا جائے تو مجموعی طور پر معیشتوں کی ناکامی، وقفے وقفے سے چیخ چیخ کر کہتی نظر آتی ہے کہ ''مجھے ٹھیک کرو'' پتہ نہیں لوگوں کو فلک بوس عمارتوں سے، محنت کشوں اور تکنیک کاروں کا خون رستا دکھائی کیوں نہیں دیتا چمک دار دفاتر، خوبصورت بنکوں کی آرائش، غریب طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد کو تو اندر داخل ہونے سے ذات پات خوف زدہ رکھتی ہے مگر سود کھانے اور ادا کرنے والے عزت پاتے ہیں، کریڈٹ کارڈ سے رومانس کرنے والوں، تاش کے پتوں کی طرح اے۔ٹی۔ایم ڈیبٹ کارڈ اور کریڈٹ کارڈ میں جکڑے، کنزیومرازم جدید معیشت کے کیسینو، اسلحے خرید وفروخت میں ملوث سٹے بازی کے بازار میں طاقتور اور کمزور کرنسیوں کی یلغار میں گھرے لوگوں کے درمیان غربت کے مارے افراد کی زندگی گویا معطل ہے، چونکہ مالدار ممالک بھی قرضوں میں جکڑے ہوئے ہیں تو ان ممالک کے سرمایہ داروں کے پاس بھی محض اتنی کرنسی ہے کہ وہ عیاشی کی زندگی کے معنی بھول چکے ہیں۔ بہرحال قیاس آرائیوں اور سٹے بازی پر عالمی مالیات کی نازک حالت کے باوصف 2008 میں عالمی مالیاتی انہدام سے بچاؤ کے لئے عوام کے پیسوں سے نقصان اٹھانے والے، بنکس، انشورنس کمپنیز اور سرمایہ داروں کو مختلف پیکیجیز دیئے گئے تاکہ وہ کارپوریٹ کیپٹل ازم کو دوبارہ کھڑا کرسکیں، تاہم جمہوری نظام میں اربوں ڈالر سے منتخب ہونے والوں نے عوام کو فراموش کردیا صنعت اور تجارت انکی مربی بن گئی اور اسے خود ''لندن اکنامسٹ کے کرونی کیپٹل ازم کا عہد'' قرار دیا گیا، آزاد تجارت، قرضوں اور برآمدات کی محتاج اور غریب ممالک سائنس اور ٹیکنالوجی کے ہاتھوں بڑے ممالک کے پاس گروی رکھے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ایک ماہ میں کوئی بہترین برانڈ صف اول میں کھڑا نظر آتا ہے تو دوسرے ماہ آخری صف میں ہچکیاں لیتا دیوالیہ ہونے کا منتظر دکھائی دیتا ہے، کسی کی ملازمت محفوظ نہیں، ایکسپورٹ ماڈل کا عجیب وغریب انداز ہے ایک ہی وقت میں کئی ممالک کا ایک دوسرے کے ملک کی کرنسیوں پر حملہ، کرنسی کی قدر کم زیادہ کر کے آزاد تجارت کے ذریعے کسی کے ہاتھ میں کشکول اور کسی کے ہاتھ میں سونا تھما دیا جاتا ہے، یہ آزاد تجارت ہی ہے جس نے کرنسیوں کے ذریعے جوئے کا کھیل متعارف کرایا اور کرنسیوں کی جنگ نے مقابلے کو شدید تر کردیا، یوں ترقی یافتہ ممالک پسماندہ ممالک کے قدرتی وسائل لوٹنے میں لگ گئے، غریب اقوام عالم کو سہانے خواب دکھائے گئے کہ جب سرحدیں نہیں ہونگی تو خرید وفروخت سے روزگار بڑھے گا اور خوشحالی آئے گی لیکن ہوا اس کے برعکس، اور ساری دنیا ہی قرض دار ہوگئی جسمیں امریکہ سرفہرست ہے جسکا جی ڈی پی 15 ہزار ٹریلین ڈالر اور قرضے 16 ہزار ٹریلین ڈالر ہیں اور پھر امریکی منڈی پر چینی مصنوعات کا قبضہ ہے یہ ریگن اور تھیچر کا نظریہ آزاد تجارت تھا، جواب قطعی ناکام ہوچکا ہے تاہم اسنے یہ ضرور کیا کہ ہر ملک میں دو نمبری کے نتیجے میں ایک اور مٹھی بھر امیر طبقہ پیدا کردیا، تیسری دنیا قرضوں میں سکڑ گئی سود در سود کے سبب قرضوں کے حجم میں اضافہ ہی ہو رہا ہے پھر ایکسپورٹ ماڈل کے تحت تیسری دنیا کو آزاد تجارت کے لئے ان مصنوعات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے جو پہلے ہی عالمی مارکیٹ میں فاضل (سرپلس) ہیں، دوسری طرف نئے سرمایہ دار طبقے نے کنزیومرازم، اور ''برانڈ'' متعارف کرا کر نہ صرف ''جنک فوڈ'' کو فروغ دیا بلکہ سیل فون کی شکل میں نئے نئے کھلونے بھی لوگوں کے ہاتھوں میں تھما دئے گئے۔ مصنوعی کھانوں کے ریستورانوں میں اس قدر بھیڑ نظر آتی ہے جیسے قصائی کی دکانوں کے باہر۔ آلودگی سے ماورا ٹرانسپورٹ متعارف ہوئی، اور نجی گاڑیاں لیز پر چلنے لگیں ٹریفک جام نے عام آدمی کی زندگی اجیرن کردی، جدید معیشت کی پیداواری صلاحیت بڑھی تو دنیا زائد پیداوار کے جال میں پھنسی نظر آنے لگی۔ مزدور اور ملازمین پہلے سے زیادہ مشقت کرنے لگے دن رات کا امتیاز ختم ہوگیا بڑے ممالک نے آؤٹ سورس کے ذریعے برصغیر کے بیروزگار نوجوانوں کو دن کو رات اور رات کو دن سمجھنے پر مجبور کردیا اور بیروزگاروں کے لئے زندگی جبر مسلسل اور آرزؤں کی موت قرار پائی دنیا بیروزگار نوجوانوں اور کم تنخواہ پانے والوں کے لئے کافکا کا ناول بن گئی، جسمیں مرکزی کردار کیڑا بن کر دنیا کو دیکھتا ہے گویا یہ معاشی تاریخ کی تیز ترین ترقی ہے جو پسماندہ قوموں کو روندنے کا حق رکھتی ہے اب ایسی جنگی گیسیں دریافت ہوچکی ہیں جن سے انسان غائب ہوجاتے ہیں اور عمارات کھڑی رہتی ہیں چنانچہ جدید معیشت کی افادیت مشکوک ہوگئی کیونکہ عام آدمی کی جو بنیادی ضروریات ہیں وہ سرمایہ دارانہ نظام کے منشور کا حصہ نہیں اس میں صرف منافع اور ہوس بنیادی ضرورت قرار پاتی ہے تبدیلی کا جواز پیش کرنے کے لئے پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ یہ عہد ترقی کا ہے جبکہ لندن اکنامسٹ کی اشاعت میں شائع شدہ ایک مضمون میں کہا گیا ہے کہ ''یہ عہد کرونی کیپٹل ازم کا ہے جسمیں سرمایہ داروں کا کردار وحشی جانوروں کی مانند ہے'' اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ دنیا بھر کے جدید معاشی نظام نے بنی نوع انسان کو بری طرح جکڑ لیا ہے اسلامی ممالک کے سربراہوں نے امریکہ کے خواب کے مطابق

آپس میں ایسی تقسیم کی کہ ایک دوسرے کا خون پی کر ابلیسی رقص میں نہ صرف مصروف ہیں بلکہ اسلحہ بھی امریکی خرید رہے ہیں تا کہ ایک دوسرے کو نابود کر سکیں ، ایسے میں یہ حیران کن امر کہ ’’مانیٹری سسٹم یا تو ناکارہ ہو چکا ہے یا غلطیوں سے بھرا پڑا ہے‘‘ تو پھر ساری معیشت کی بنیاد بھی غلطیوں سے بھرے اعداد شمار ہی پر ہے جن کے نتائج بھی یقیناً خطرناک ہونگے ، مالیاتی نظام جس پر معیشت کا انحصار ہے اگر وہی ناکارہ ہو جائے جیسا کہ اس وقت ملکی اور غیر ملکی قرضوں پر استوار پاکستان کا مالیاتی نظام ہے جس کا کوئی شعبہ بھی ٹھیک سے کام نہیں کر رہا اس کے باوجود مانیٹری ترجیحات ہی معاشی حالت کو حصار میں لئے ہوئے ہیں جس کے باوصف گزشتہ چند برسوں میں اسٹیٹ بنک سے حکومت 22 ہزار ارب روپے قرض لے چکی ہے تو پھر نتائج کیسے اطمنان بخش ہو سکتے ہیں ۔ کنزیومرازم نے بنکوں سے حکومت کے قرضوں کے علاوہ ، استحصال کو بھی بڑھایا ہے اور یہ صورتحال نہ صرف پاکستان کے لئے خطرناک ہے بلکہ اس سے عالمی سطح پر مختلف بڑے ممالک کے حکمران اور معیشت دان بھی پریشان ہیں ۔ فیڈرل ریزرو آف امریکہ کے چیرمین ایلین گرین اسپین نے جب بھانپ لیا تھا کہ کیسینو اکنامکس فائنانشلائزیشن نے دنیا کو تباہی کی طرف دھکیل دیا ہے اور سارے کھیل میں کرپشن بے قابو ہو چکی ہے تو اس نے استعفٰی دے دیا تھا ، حالانکہ مالیاتی سرمایہ داری کو مزید برباد کرنے اور سود کے مدوجزر ، اور کرنسیوں کی قدر کو گھٹانے اور بڑھانے کا کھیل ایلین گرین اسپین ہی نے شروع کیا تھا ۔ اسٹاک مارکیٹوں کے بچاری کرونی اور کارپوریٹ کیپٹل ازم کے نقال حکمرانوں نے پاکستان کے معاشی حالات کو شدید ابتر کر دیا جس ملک کا تجارتی خسارہ 30 ارب ڈالر ، سود کی ادائیگی 14 ارب ڈالر ، کرنٹ اکاؤنٹ کا خسارہ 10 ارب ڈالر ہو اور ملک سے ہر سال دس ارب ڈالر باہر چلا جائے تو ایسے میں اس بات کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے کہ ملک کا مستقبل پڑوسی ملک چین بہتر کر دیگا ، بالفرض اگر ایسا ہو بھی جائے تو اس کی قیمت کون ادا کریگا ، خود ایلین گرین کے الفاظ ہیں ’’ جب ہم سود کی شرح ایک فیصد بڑھاتے یا کم کرتے ہیں تو فیصلے سے پہلے ہمارے کانپتے ہاتھوں سے پیمانے گر پڑتے ہیں‘‘ فیڈرل ریزروز کی یہ حالت حقیقتاً سود ہی نے کی ہے اور جب سود کے ساتھ سٹہ بازی بھی شامل ہو جائے تو یہ غریبوں کی معمولی قوت خرید بھی خرید لیتی ہے جس ملک کے حکمراں اپنے ذاتی مفادات سے آگے سوچنے اور بڑھنے میں دلچسپی نہ رکھتے ہوں تو اس ملک کے نوجوانوں کو سنجیدگی سے سوچنا ہوگا کہ انہیں آخر کرنا کیا ہے کیونکہ موجودہ عالمی نظام کے جدید مالیاتی معاشی نظام میں ایک ڈجٹ کے مدوجزر سے کسی ایک کمپیوٹر پر کسی بڑے سامراجی ملک میں گڑبڑ ہو جائے تو اس کی تباہی پوری دنیا میں معاشی بھونچال پیدا کر سکتا ہے اس کی مثال 2008 کا عالمی مالیاتی بحران ہے جسکے نتیجے میں دنیا بھر میں کئی بنکس انشورنس کمپنیز ، کارپوریٹ ادارے ، فضائی کمپنیز اور کارساز کمپنیز سمیت دیگر کئی رئیل اسٹیٹ دیوالیہ ہو گئے تھے بہر حال گلوبلائیزیشن کے منفی رجحانات کی وجہ سے جو نقصان اٹھانا پڑا اسے ڈونلڈ ٹرمپ دوبارہ پروٹیکشنزم کی طرف لا رہا ہے اسی حوالے سے نوبل انعام یافتہ معیشت دان جوزف اسٹک گنٹز نے اپنی ایک کتاب ’’نابرابری کی قیمت‘‘ میں تحریر کیا ہے کہ امریکہ کو سرمایہ داری سے زیادہ سوشل ازم کی ضرورت ہے ۔ اگر دیکھا جائے تو غریبوں کی دنیا پر امیروں کے قبضے کے معنی اس سوال میں پنہاں ہیں کہ فطرت نے انسانی مسرتوں کے تمام اسباب کرہ ارض میں رکھ چھوڑے ہیں لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انکی منصفانہ تقسیم کون کرے اکثر لوگ استحصال کے معنی ہی سے واقف نہیں استحصال دراصل رنگ ، نسل ، اور مذہب نہیں بلکہ طبقے کرتے ہیں انسان کی انسان پر بالادستی نے کرہ ارض کو تباہی تک پہنچا دیا ہے افریقہ میں ہر تیسرا بچہ بھوک کے باعث مر جاتا ہے ، ترقی پزیر ممالک میں ایک ارب چالیس کروڑ افراد کی روزآنہ کی آمدن 125 روپے سے بھی کم ہے دنیا کے 48 غریب ترین ممالک کی مجموعی سالانہ آمدنی دنیا کے تین امیر ترین افراد کی دولت سے بھی کم ہے ، عالمی سروے کی ایک تنظیم ’’آکسفام‘‘ کی رپورٹ کے مطابق دنیا میں 62 امیر ترین افراد کے پاس آدھی دنیا سے زیادہ دولت ہے ۔ منی لانڈرنگ کے خلاف عصر حاضر میں بہت زور شور ہے لیکن مالدار طبقے ریاست سے زیادہ طاقتور ہو گئے ہیں کیونکہ جہاں امیر اور غریب کا بہت زیادہ فرق ہو وہاں ریاست کمزور اور مالدار طبقے طاقتور ہو جاتے ہیں ۔ کارپوریٹ کیپٹل ازم کی وجہ سے دنیا کی 60 بڑی کمپنیز ٹیکس سے بچنے کے لئے ہر سال 1300 ارب ڈالر بیرون ملک آف شور کمپنیز کو منتقل کر دیتی ہیں اور پھر سوئیس بنکس کے بے نامی اکاؤنٹس میں اربوں ڈالر رکھے جاتے ہیں ، جہاں راز ہمیشہ راز ہی رہتا ہے ، پیسہ جمع کرنے والا مالدار سرمایہ دار اگر مر جائے تو جمع شدہ رقم اس کے ورثا کو نہیں ملتی پھر بھی ہوس نے دنیا میں ’’بوالہوسی‘‘ پیدا کر رکھی ہے اس لئے دنیا بھر میں جہاں جہاں غربت ہے اس میں گہرائی آتی جا رہی ہے ، اور زندگی معطل ہو کر رہ گئی ہے ۔ اقوام متحدہ کی ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق 2 ارب 30 کروڑ افراد ہر سال آلودہ پانی پینے کے باعث مختلف بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں ، دنیا کے 12 فیصد مالدار افراد ، دنیا کے صاف پانی کا 85 فیصد استعمال کرتے ہیں ۔ پاکستان میں بھی صاف پانی کی قلت ہے کہ یہاں تو پانی ذخیرہ کرنے کا ابتک کوئی پروگرام ہی تکمیل تک نہیں پہنچا ، پاکستان میں 84 فیصد افراد کو پینے کا صاف پانی میسر نہیں ہے ، مٹھی بھر افراد ، منرل واٹر پیتے ہیں جبکہ 52 فیصد منرل واٹر بھی ناقص ہے ۔ ایک اہم رخ پاکستان سمیت دنیا کا یہ بھی دیکھئے کہ ذخیرہ اندوزی کے علاوہ قیمت بڑھانے کے لئے ، گندم کو سمندر میں پھینک دینا ، سرمایہ داری نظام کا خاصہ ہے ، قلت اس لئے پیدا کی جاتی ہے تا کہ منافع خور زیادہ منافع کما سکیں ، حالانکہ اس کے لئے بنکس ، اسٹاک مارکیٹس ، منی مارکیٹس ، سمیت کیسینوز بھی موجود ہیں ، لیکن مٹھی بھر بوالہوس افراد کی ہوس ختم ہی نہیں ہوتی ملک میں سب ہی اس بات سے واقف ہیں کہ دولت چوری کر کے چھپانے کے لئے

کتنے جھوٹ بولے جاتے ہیں اور کسطرح بھوک افلاس اور جہالت کو پھیلایا جاتا ہے۔ یہ بھی اندازہ کیجیے کہ تیرہ لاکھ ٹن خوراک کھیت سے پیٹ تک نہیں پہنچتی۔ ہماری زمین جو خوراک پیدا کرتی ہے کہیں راستے ہی میں کسی نہ کسی مرحلے میں ضائع ہو جاتی ہے اس ایک تہائی خوراک کو پیدا کرنے میں جو سرمایہ، محنت، پانی، بیج، کھاد، زرعی ادویہ استعمال ہوتی ہیں انکا زیاں الگ ہے 400 ارب ڈالر کا کھانا کچرے کے ڈھیر میں چلا جاتا ہے پاکستان میں یہ مناظر بڑے ہوٹلز اور شادی گھروں میں عام دکھائی دیتے ہیں اور پھر دنیا بھر کے بھرے پیٹ والے سالانہ اتنی ہی بڑی رقم کا کھانا، پھل، سبزیاں کوڑے کے ڈھیر کی نظر کر دیتے ہیں۔ گلوبل کمیشن اکانومی اینڈ کلائمٹ کی ایک رپورٹ کے مطابق، 2050 تک کھانے کا زیاں اور بڑھ جائے گا، ایک طرف پاکستان میں عام آدمی کے لئے زندگی کی گاڑی کھینچنا محال ہوتا جا رہا ہے تو دوسری جانب بڑھتی ہوئی آبادی، بنیادی سہولتوں کے فقدان، بیڈ گورننس، کرپشن سے زندگی مشکل تر ہوتی جا رہی ہے۔ پاکستان میں ڈالر جمہوریت نے ایک ایسا کلب تخلیق کر دیا ہے جس نے مہنگائی، بے روزگاری، اور بیماری کو ہوا دے دی ہے، نجی شعبے میں ڈاکٹر مریض کو کسٹمر سمجھتے ہیں، تعلیم گلی گلی فروخت ہو رہی ہے، ملک قرضوں میں ڈوب رہا ہے، آزاد تجارت دوحا کانفرنس کے بعد ناکام ہو گئی جس میں عالمی تجارتی تنظیم نے امریکا یورپی یونین اور جاپان سے کہا تھا کہ وہ اپنے کسانوں کو جو 370 ارب ڈالر کی زرتلافی فراہم کرتے ہیں اسے ختم کر کے دنیا میں تجارت کو متوازن کریں لیکن ان ممالک نے انکار کر دیا۔ بہر حال یہ حقیقت ہے کہا آج کے مالیاتی نظام میں کھوکھلے نعروں کے ذریعے کئی وعدوں کے سراب دکھا کر کھوکھلی، کمزور دکھاوے کی اخلاقیات رائج کی جا رہی ہے اشتہاروں کی زبان ایسی رکھی جاتی ہے جو عوام کی یکجائی کو بین السطور سبوتاژ کرتی ہے، لایعنی اور تشدد آمیز فلمیں عوام سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت چھین رہی ہیں اسی کے ساتھ پاکستان کو افغان جنگ میں ملوث اور مشرق وسطی میں مسلم ممالک کو جنگی جنون میں مبتلا کر کے امریکا اپنا اسلحہ فروخت کر رہا ہے لیکن اسلامی دنیا کی قیادت یہ سمجھنے سے قاصر ہے اس لئے آج مکمل طور پر مٹھی بھر عالمی ساہوکاروں کا غریبوں کی دنیا پر قبضہ ہو گیا ہے اور یہ قبضہ اس وقت تک جاری رہے گا تاوقتیکہ غریب دنیا میں ایسی قیادت پیدا نہ ہو جائے جو قطرے میں دجلہ دیکھ سکتی ہو اگر چہ سرمایہ داری نظام زوال پذیر اور نعم البدل کی تلاش میں ہے تاہم منصفانہ نظام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سامراج ہے اور بد قسمتی سے دنیا میں شعوری مزاحمت ابھی تک شروع نہیں ہوئی لہذا انسانوں کو روبوٹ بنایا جا رہا ہے اور اگر یہ نظام نہ بدلا تو پھر دنیا آخری عالمی جنگ کے لئے تیار ہو جائے۔

☆......☆......☆......☆

چی گویرا، ایک انقلاب

اے آر عارف

9 اکتوبر 1967 کو چی گویرا کو امریکی حکومت کے ایجنٹ اور بولودیا کی فوج نے قتل کر دیا، آج اس کو 50 سال ہو گئے اس ساری دنیا کے انقلابی چی گویرا کی یاد میں مختلف فنکشن کر رہے ہیں، یہ انقلاب کے ہیرو کی عظمت ہے کہ امریکہ کے نوجوانوں کی قمیض پر اس انقلابی کی تصویر نظر آتی ہے، امریکہ لڑکیوں کے سینوں پر اس کا چہرہ چمک رہا ہے سمارا جیو!

چی کی کن عظمت کو کیسے جھٹلاؤ گے

1928 کو چی ارجنٹینا کے شہر اوساریو میں پیدا ہوا 53-1952 میں چی نے لاطینی امریکہ کے شہروں کا سفر کیا اور یہ دیکھ کر بے حد مغموم ہوا، کہ لاطینی امریکہ کے عوام کتنی غربت اور مفلسی میں زندگی گزار رہے ہیں اسی لمحہ اس نے یہ طے کر لیا کہ ان عوام کی حالت بدلنے کیلئے اپنی زندگی وقف کر دے آج بھی کیوبا میں اسکول کے بچے اپنا دن چی کو سیلوٹ کر کے اور نعرہ لگا ''کر چی کمیونزم کے اولین میں سے ہے اور ہم چی کی طرح بننا چاہتے ہیں''، فیڈرل کاسٹرو نے ایک دفعہ 10 لاکھ لوگوں کے سامنے کہا تھا کہ چی انقلابی جنگ کا فنکار ہے۔ 1955 میں چی کیوبا کے کاسٹرو سے میسکیکو میں ملا اور کیوبا کے گوریلہ دستے میں شامل ہو گیا، 1960 میں یہ کاسٹرو کی حکومت میں سینٹرل بینک کا سربراہ مقرر ہوا، لیکن 1965 میں چی کیوبا کی حکومت سے استعفیٰ دیکر دوسرے ملکوں کے انقلاب کی مدد کرنے نکل پڑا پہلے تو وہ کونگھ کے مارکسٹ گویلاؤں کے ساتھ ملکر لڑائی کرتا رہا اور پھر 1966 میں وہ بولوویا چلا گیا 11 ماہ تک بولوویا میں انقلابی جدوجہد کرتا رہا اور ہر جگہ انقلاب کا پرچم بلند کرتا رہا یہاں تک کہ ایک جنگ میں وہ زخمی ہو گیا اور اسکے تقریباً سارے ساتھی کام آ گئے اسکے بعد دو امریکی سی آئی اے ایجنٹ اور بولوویا کی فوج نے اسے گرفتار کر کے قتل کر دیا، اس طرح بولوویا کا انقلاب اپنی موت آپ مر گیا، اگر چی زندہ رہتا تو نہ صرف بولوویا بلکہ جنوبی امریکہ کے بہت سے ممالک سرمایہ داری کے شکنجہ سے آزاد ہو چکے ہوتے 3 دہائیوں کے بعد کاسٹرنے و اپنے کامریڈ کی باقیات کو لا کر سانتا کلارا میں دفن کر دیا جہاں وہ ابدی نیند سو رہا ہے۔

☆......☆......☆......☆

سماج میں عورت کا کردار

وی آئی لینن

ترجمہ: سی۔آر۔اسلم

نوٹ: یہ مضمون دراصل طول گفتگو ہے جو کلارا زیٹکن سے وی آئی لینن نے کی اور وہ اس کو ضبط تحریر میں لائیں، جناب سی اسلم نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا تھا کلارا زیٹکن جرمن سوشلسٹ ورکرز پارٹی کی رکن تھیں جس کا نام بعد میں سوشل ڈیموکریٹک پارٹی آف جرمنی ہوگیا۔ انہوں نے سوشل ڈیموکریٹک ویمن موومنٹ کی بھی بنیاد رکھی انکا 1933 میں ماسکو میں انتقال ہوا۔ جو سوالات اس میں اٹھائے گئے ہیں وہ آج بھی ہمارے سماج اور محنت کش طبقے کی تحریک میں موجود ہیں اس لیئے ہم شائع کر رہے ہیں۔

عورتوں کے حقوق کے بارے میں کامریڈ لینن سے میری کئی بار بحثیں ہوئیں، ان بحثوں کے دوران اس نے مسئلے پر اپنے خیالات کی وضاحت کی، یہ حقیقت ہے کہ کامریڈ لینن خواتین کی تحریک کو بے حد اہمیت دیتے تھے، اس کے نزدیک خواتین کی تحریک عوامی تحریک کا ایک اہم حصہ ہے اور بعض حالات میں یہ فیصلہ کن بھی بن سکتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ مردوں اور عورتوں کی سماجی برابری کا قائل تھا۔ اس کے نزدیک کوئی کمیونسٹ اس اصول سے انکار نہیں کرسکتا۔

میری لینن سے اس مسئلے پر پہلی طویل گفتگو 1920 کے خزاں میں ہوئی۔ یہ گفتگو کریملن میں لینن کے مطالعہ گاہ میں ہوئی۔ لینن کے سامنے میز پر بہت سی کتابیں اور کاغذات بکھرے پڑے تھے۔ لیکن اس بے ترتیبی میں بھی ایک ترتیب تھی عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ دانشور ترتیب اور نظم کا لحاظ نہیں رکھتے اور جتنی زیادہ بے ترتیبی اور انتشار ان کی زندگی میں ہو وہ اتنا ہی بڑا دانشور ہوتا ہے۔ لیکن لینن کے بارے میں یہ بات درست نہیں تھی۔

گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے اس نے کہا ''ہمیں عورتوں کی ایک طاقتور اور عالمگیر تحریک واضح اور مثبت نظریاتی بنیادوں پر تعمیر کرنی چاہیے، یہ عیاں ہے کہ مارکسی نظریے کے بغیر ہمارا عمل درست نہیں ہوسکتا، جہاں تک عورتوں کی عالمی تحریک کا تعلق ہے ہم کیمونسٹوں کو اس کے لیے واضح اصول مرتب کرنا ہوں گے، ہمیں اپنے اور دوسری تمام پارٹیوں کے درمیان واضح لائن کھینچنی چاہیے۔ یہ بدقسمتی ہے کہ ہماری دوسری عالمی کانگریس عورتوں کے حقوق کے مسائل کے سوال پر توقعات پر پوری نہ اتری۔ اس کانگریس میں یہ سوال تو اٹھا لیکن اس کا واضح جواب نہیں دیا گیا اور نہ ہی مثبت مؤقف اختیار کیا گیا۔ کانگریس کی ایک نامزد کمیٹی ابھی تک اس سوال پر غور کر رہی ہے۔ اس کمیٹی کے ذمہ یہ کام ہے کہ وہ اس سوال پر بنیادی اصول اور ہدایتوں پر مبنی ایک قرارداد مرتب کرے۔ لیکن اس کمیٹی نے ابھی تک کوئی کام نہیں کیا۔ تمہیں اس کمیٹی کی مدد کرنی چاہیے''۔

جو کہ لینن نے مجھے بتایا وہ میں پہلے بھی دوسروں سے سن چکی تھی۔ میں نے کمیٹی کی بے عملی پر حیرت کا اظہار کیا۔ انقلاب کے دوران روسی عورتوں کے کردار اور عمل سے میری بڑی حوصلہ افزائی ہوئی تھی۔ روسی عورتیں انقلاب کے دفاع اور ملک کی تعمیر کے لیے جو کچھ کر رہی تھی وہ بھی قابل ستائش ہے۔ روسی عورتیں بالشویک پارٹی کی ممبر تھیں۔ ان کی پارٹی کے اندر سرگرمیاں کسی سے مخفی نہ تھیں۔ اس لحاظ سے یہ پارٹی ایک مثالی پارٹی تھی۔ صرف اس پارٹی نے عورتوں کی کمیونسٹ عالمی تحریک کے لیے قابل قدر، تربیت یافتہ اور تجربہ کار خواتین مہیا کی تھیں، روس کی کمیونسٹ عورتیں تاریخ میں ایک مثالی حیثیت اختیار کرگئی تھیں۔

میری بات سن کر لینن مسکرایا اور کہا ''سچ تو یہ ہے کہ روس کی کمیونسٹ عورتوں نے عظیم کام سرانجام دیئے ہیں، پیٹروگراڈ' ماسکو اور دوسرے شہروں اور صنعتی مراکز میں پرولتاری عورتوں نے انقلاب میں شاندار کردار اور عمل کا مظاہرہ کیا ہے۔ ان کے تعاون کے بغیر شاید انقلاب میں کامیابی نہ ہوتی یا انقلاب بڑی مشکل سے کامیاب ہوتا، یہ میری رائے ہے۔ انہوں نے بے مثال جرات کا مظاہرہ کیا اور اب بھی کر رہی ہیں، ذرا تصور کرو کہ وہ کس قدر خندہ پیشانی سے بھوک اور محرومی کو برداشت کر رہی ہیں، وہ اپنے مورچوں پر ڈٹی ہوئی ہیں کیونکہ وہ سوویتوں کی حفاظت کرنا چاہتی ہیں، آزادی اور کیمونزم کو دشمنوں سے بچانا چاہتی ہیں۔ ہماری مزدور عورتیں بے مثال طبقاتی مجاہد ہیں، ان کے کارنامے قابل تحسین ہیں۔ میں چلتے چلتے یہ بتا دوں کہ ان عورتوں نے بھی جو ہماری مخالف میں آئینی جمہوریت پسندوں کے ساتھ تھیں، ذلیل فوجی کیڈٹوں سے زیادہ جرأت کا مظاہرہ کیا تھا۔

''یہ درست ہے کہ ہماری پارٹی کی عورتیں ذہین' انتھک اور قابل اعتماد ہیں۔ وہ سوویتوں، ایگزیکٹو کمیٹیوں اور وزارتوں میں اہم عہدوں پر فائز ہیں، ان میں سے اکثر رات دن کام کرتی ہیں۔ پارٹی میں، مزدوروں میں اور سرخ فوج میں ہر جگہ وہ شب و روز کام میں جتی رہتی ہیں۔ انقلاب کے لیے اس سے زیادہ قابل قدر کام اور کیا ہوسکتا ہے، سوویت عورتیں جو کارنامے انجام دے رہی ہیں، وہ دنیا بھر کی عورتوں کے لیے بہت اہمیت رکھتے ہیں، ان کے یہ کارنامے عورتوں کی صلاحیت کا ثبوت ہیں، اور یہ اس

بات کا ثبوت ہیں کہ عورتیں سماج کے لیے راستہ ہموار کر رہی ہیے، یہ عورتوں کے خلاف پھیلائے ہوئے تعصّبات کو ختم کر رہی ہے، عورتوں کے بارے میں لکھی گئی تمام کتابیں ان تعصّبات سے بھری پڑی ہیں، دنیا کی پہلی سوشلسٹ ریاست عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق دے کر ان تمام تعصّبات کی تکذیب کر رہی ہے''۔

''مجھے افسوس ہے کہ ہم اب تک کمیونسٹ عورتوں کی عالمی تنظیم نہیں بنا سکے۔ یہ کام آج ہی سے شروع کر دینا چاہیے، اس تحریک کے بغیر کمیونسٹ انٹرنیشنل اور اس کی پارٹیوں کا کام ادھورا ہے اور رہے گا، انقلاب عمل ہمہ گیر عمل ہے اور عورتوں کی عالمی تحریک کے بغیر یہ مکمل نہیں ہوگا۔ مجھے یہ بتائیے کہ باہر کے ملکوں میں کمیونسٹ کام کس طرح چل رہا ہے''۔

میں نے لینن کے سوال کے جواب تفصیل سے جواب دیا اور اسے بتایا کہ کمیونسٹ انٹرنیشنل کی پارٹیوں کے درمیان تعلقات ابھی تک ڈھیلے اور بے قاعدہ ہیں، لینن نے میری باتیں توجہ سے سنیں، اس نے میری باتیں اتنی توجہ سے سنیں کہ نہ تو اس نے اکتاہٹ کا اظہار کیا نہ ہی تھکن کے آثار اس کے چہرے پر نمودار ہوئے، اس نے معمولی سے معمولی جزیات کو بھی غور سے سنا، میں نے لینن سے زیادہ غور سے سننے والا کسی کو نہیں پایا۔ وہ بڑی تیزی سے واقعات کی کڑیاں جوڑ لیتا تھا اور جو کچھ سنتا تھا ان سے نتائج برآمد کر لیتا تھا۔ گفتگو کے دوران چھوٹے چھوٹے اور اہم سوال پوچھتا جاتا تاکہ واقعات کی پوری تصویر اس کے سامنے آجائے۔ لینن باتیں سنتے وقت نوٹ لیتا جاتا تھا، تاکہ بعد میں ان کو کام میں لا سکے اور ان کا حوالہ دے سکے۔

میں نے جرمنی کے سیاسی حالات کے بارے میں زیادہ تفصیل سے گفتگو کی، میں نے لینن کو بتایا کہ کامریڈ روز الگزمبرگ انقلابی تحریک میں عورتوں کی شمولیت کو بہت اہمیت دے رہی تھی۔ جب کمیونسٹ پارٹی قائم کی گئی تو روز الگزمبرگ نے زور دیا کہ عورتوں کا ایک اخبار جاری کرنا چاہیے، لیوجوگچس سے ملاقات اس کے مارے جانے سے 36 گھنٹے قبل ہوئی تھی، اور پارٹی کام کے بارے میں اس سے بات ہوئی تھی۔ اس نے میرے ذمے بہت سے کام لگائے تھے جن میں سے ایک کام عورتوں کی تنظیم کے بارے میں تھا، پارٹی نے اس مسئلے پر اپنی پہلی غیر قانونی کانفرنس میں بحث کی تھی، وہ خواتین جنہوں نے پہلی سامراجی جنگ کے دوران اہم کردار ادا کیا تھا وہ سوشل ڈیموکریٹ پارٹی ہی کی ممبر تھیں، اور اکثر عورتیں ان کے گرد جمع تھیں اس کے باوجود مزدور عورتوں کی تنظیم بنانے میں بھرپور حصہ لینا شروع کیا تھا لیکن یہ کام کی ابتدا تھی، میں نے لینن کو سب کچھ بتایا۔

میری گفتگو کے جواب میں لینن نے کہا کہ یہ بری ابتدا نہیں ہے۔ یہ اچھا آغاز ہے۔ کمیونسٹ عورتوں کی سرگرمیاں، لگن اور جوش ان کی جرات اور ذہانت جو وہ خفیہ اور نیم خفیہ کارروائیوں کے دوران دکھا رہی ہیں وہ بہت حوصلہ افزا ہیں، ان کی ہمیت سے پارٹی پھیلے گی اور اس کا کام بڑھے گا۔ ان کی مدد سے پارٹی عوام میں مقبول ہوگی اور سیاسی سرگرمیوں میں تیزی سے حصہ لے گی، ضرورت اس بات کی ہے کہ سب رفیقوں کو اس سوال کی اہمیت بتائی جائے۔ ان کو تربیت دی جائے کہ عورتوں میں کیسے کام کیا جا سکتا ہے اور عورتوں کی انقلاب کے لیے کتنی اہمیت ہے، تم اس معاملے میں کیا کر رہی ہو، عوام میں کام کے لیے کیڈرز کی بڑی اہمیت ہے۔ کیونکہ اہمیت ہے، تم اس معاملے میں کیا کر رہی ہو، عوام میں کام کے لیے کیڈرز کی بڑی اہمیت ہے، کیونکہ عوام تک سوشلزم کے خیالات کو قابل فہم انداز میں پہنچانا اصل بات ہے تاکہ وہ جرات اور حوصلے سے وہی لائن اختیار کریں جو ہم چاہتے ہیں، مجھے اس وقت یاد نہیں کہ یہ کس کا قول ہے کہ ''عظیم کاموں کے لیے امنگ اور حوصلے کی ضرورت ہے''۔ ہمیں اور دنیا کے مزدوروں کو عظیم کارنامے انجام دینے ہیں، سوچنے کی یہ بات ہے کہ جرمن خواتین عظیم کارنامے انجام دینے کے لیے حوصلے کہاں سے حاصل کرتی ہیں؟۔ ان کے پرولتاری طبقاتی شعور کی کیا حالت ہے؟۔ کیا وہ فوری سیاسی مطالبات سے متاثر ہو کر سرگرم عمل ہوتی ہیں؟ ان کے خیال کا مرکزی نقطہ کیا ہے؟''

''میں نے روسی اور جرمن رفیقوں سے عجیب وغریب باتیں سنی ہیں، میں وہ سب تمہیں بتانا چاہتا ہوں۔ مجھے بتایا گیا کہ ایک جرمن خاتون ہمبرگ میں طوائف کے لیے اخبار نکال رہی ہے اور ان کو انقلاب کاموں کے لیے منظّم کر رہی ہے، روز الگزمبرگ سچی کمیونسٹ ہے۔ جب پولیس نے طوائف کو پولیس کے قواعد کی خلاف ورزی پر جیل میں ڈالا تو روزا کی انسانی ہمدردی جاگ اٹھی اور اس نے پولیس کے مظالم کے خلاف ایک مضمون لکھا۔ بیچاری طوائفیں سرمایہ دار سماج کی مظلوم ہستیاں ہیں، لعنتی نجی ملکیت کے نظام اور سرمایہ دار سماج کی منافقانہ اخلاقیات کی شکار ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ سرمایہ دار سماج کی مظلوم اور بدنصیب بیٹیاں ہیں، کوئی جاہل، تنگ نظر اور کوتاہ فہم ہی اس حقیقت سے انکار کر سکتا ہے۔ لیکن اس حقیقت کو سمجھنا ایک اور بات ہے اور طوائفوں کو انقلابی تنظیموں میں منظّم کرنا ان کے لیے اخبار چھاپنا، ان کی ٹریڈ یونین بنانا دوسرا کام ہے۔ کیا جرمنی میں مزدور خواتین ختم ہو گئی ہیں جن کو منظّم کرنے، جن کے لیے اخبار چھاپنے اور جن کی رہنمائی کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی؟۔

'کیا یہ فضول حرکت نہیں ہے جسے ہماری ہمبرگ کی ذہین رفیق خاتون کر رہی ہیں، مجھے یاد آتا ہے کہ ایک وقت یہ ادبی فیشن بن گیا کہ ہر طوائف کو معصوم مریم کی صورت میں پیش کیا جائے، یہ اس سماجی ہمدردی کا نتیجہ ہے جو ان مظلوم ہستیوں سے انسانی ہمدردی کے حوالے سے پیدا ہوتی ہے، اور اس نفرت کا اظہار بھی ہے جو ''شریف'' بورژوا طبقے کی منافقانہ اخلاقیات کے خلاف پیدا ہوتی ہے جو طوائفوں کی سرپرستی کرتے ہیں۔ لیکن بورژوا اذلالت اور بورژوا

ذات سے نفرت کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ اس قسم کے فضول کام کیے جائیں اور جسم فروشی کی حقیقت سے آنکھیں بند کر لی جائیں۔ طوائفوں کو سماج میں باعزت مقام دو، انہیں روزگار مہیا کرو اور انہیں پیداواری عمل میں شریک کرو، یہ ہیں کرنے کے کام، ہمارے معاشی مسائل کچھ ان مشکل مسائل کا حصہ ہیں، مزدوروں نے ریاست پر قبضہ کرنے کے بعد ان مشکل مسائل کو حل کرنا شروع کر دیا ہے۔ سوویت روس میں ان کو حل کرنے کے لیے ابھی محنت کی ضرورت ہے، ہم یقیناً انہیں حل کر لیں گے، آیئے جرمنی کے رفیقوں کو درپیش مسائل کے حل کے بارے میں سوچیں، کسی حالت میں بھی پارٹی اپنے ممبروں کے بے قاعدہ، نادرست کاموں کو نظرانداز نہیں کر سکتی۔ اس سے ہماری صفوں میں انتشار پھیلتا ہے، مجھے بتایئے کہ آپ نے اس کو روکنے کے لیے کیا کیا ہے۔

اس سے پہلے کہ میں جواب دیتی لینن نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''کلارا تمہاری غلطیوں کی فہرست طویل اور بدتر ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ ان شاموں کو جن میں مزدور عورتیں پڑھائی اور بحث کے لیے جمع ہوتی ہیں، ان میں جنس اور شادی کے مسائل پر بحث کی جاتی ہے، تمہاری سیاسی گفتگو اور تعلیمی کاموں کا اظہار انہی موضوعات پر ہوتا ہے، جب میں نے یہ سب کچھ سنا تو مجھے یقین نہ آیا، پرولتاری ڈکٹیٹرشپ کی پہلی ریاست دنیا بھر کے انقلاب دشمنوں کے خلاف برسرپیکار ہے، جرمنی کے حالات کا تقاضا ہے کہ مزدور انقلابیوں کی صفوں میں زیادہ سے زیادہ اتحاد قائم کیا جائے تاکہ وہ انقلاب دشمنوں کے حملوں کو پیچھے دھکیل سکیں، حیرت کی بات ہے کہ ان حالات میں جب انقلاب دشمن اتنے سرگرم ہوں کمیونسٹ عورتیں جنس اور شادی کے لایعنی مسائل پر بحث وتمحیص میں اپنا وقت ضائع کریں، وہ اس کام کو زیادہ اہمیت دیں اور انہی سوالات کے بارے میں مزدور عورتوں کو شعور دیں۔

''کہا جاتا ہے کہ ایک پمفلٹ جو ویانا کی ایک کمیونسٹ مصنفہ نے تحریر کیا ہے جو جنس کے بارے میں ہے آج کل بہت مقبول ہے، وہ کتاب کتنی لایعنی ہے، جنس کے بارے میں جتنا کچھ مزدوروں کو جاننا چاہیے وہ بے بل کی تحریروں میں موجود ہے، بے بل کی تحریروں میں بورژوا سماج کے خلاف تندوتیز حملے کیے گئے ہیں جبکہ مذکورہ بالا کتاب میں اس مسئلے پر طبقاتی نقطہ نگاہ سے کچھ نہیں کہا گیا۔ اسی پمفلٹ میں فرائیڈ کا ذکر کر کے اسے سائنسی بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کوشش میں مذکورہ مصنفہ نے اور بھی غلطیاں کی ہیں۔ فرائیڈ کے نظریہ جنس سے لگاؤ ایک فیشن بن گیا ہے، ایسے پمفلٹوں اور مضامین میں جنس کے بارے میں مذکورہ نظریات قابل اعتماد نہیں ہیں۔ میرے نزدیک وہ رفقا بھی قابل اعتماد نہیں ہیں جو ہر وقت جنسی مسائل میں الجھے رہتے ہیں۔ جس طرح ہندو یوگی آنکھیں بند کر کے گیان دھیان میں لگے رہتے ہیں، میرے خیال میں جنسی نظریہ پر اتنی توجہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص اپنی ذاتی جنسی خواہشات کا اسیر ہے، ایسے نظریات بیان کر کے یہ لوگ اپنی ابنارمل جنسی زندگی کا جواز تلاش کرتے ہیں تاکہ بورژوا اخلاقیات ان پر گرفت نہ کر سکے۔ بورژوا اخلاقیات سے خوف میرے نزدیک قابل نفرت ہے۔ ایسے پمفلٹ اور تحریریں خواہ بظاہر کتنی باغیانہ اور انقلابی نظر کیوں نہ آئیں جب ان کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو آخر کار ان سے بورژوا اخلاقیات کی پاسداری ہی کا اظہار ہوتا ہے۔ جو دانشور ان مسائل پر خاص توجہ دیتے ہیں، ان کے لیے ہماری پارٹی میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ ہماری پارٹی طبقاتی شعور رکھنے والے مجاہد مزدوروں کی پارٹی ہے''۔

میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا کہ جس سماج میں نجی ملکیت اور سرمایہ داری پر مبنی سماج نظام موجود ہو وہاں جنس اور شادی کئی قسم کے مسائل پیدا کرتی ہے، اور ایسے مسائل تمام طبقات اور پرتوں کی خواتین کے لیے دکھ اور جھگڑوں کا موجب بنتے ہیں، جہاں تک عورتوں کا تعلق ہے ان میں اضافہ ہوا ہے، ایسے مسائل جو اس سے قبل عورتوں کے لیے شجرِ ممنوعہ تھے آج انہی مسائل کا خواتین کو سامنا ہے۔ ایک طرف یہ مسائل ہیں اور دوسری طرف انقلاب جنم لے رہا ہے۔ پرانے جذبات اور خیالات ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں۔ پہلے سماجی تعلقات شکست و ریخت کے عمل سے دوچار ہیں۔ عوام کے درمیان نئے رشتے جنم لے رہے ہیں، جنس اور شادی کے معاملات میں دلچسپی کا اظہار اس بات کا ثبوت ہے کہ عورتوں میں نیا شعور لانے کی ضرورت ہے، یہ صورت سرمایہ داری سماج کی منافقت کے خلاف ردعمل بھی ہے، شادی کی رسوم بدل رہی ہیں، خاندانوں کے ڈھانچوں میں ردوبدل ہو رہا ہے اور خواتین کی معاشی دست نگری ختم ہو رہی ہے، ان حالات میں مزدور عورتیں سرمایہ دار سماج کے ابدیت کے نظریے سے چھٹکارا حاصل کر رہی ہیں۔ اسی صورتحال کے بارے میں تنقیدی جائزہ خواتین کو بورژوا سماج کی چھان پھٹک کی ترغیب دے رہا ہے اور جنس کے بارے میں ان کی جھوٹی اخلاقیات کا پردہ چاک ہو رہا ہے۔ اس وقت تمام سڑکیں روم کو جاری ہیں۔ سماج کی نظریاتی بالائی عمارت کا تجزیہ اور سماجی سوالات کی چھان پھٹک کا تقاضا ہے کہ بورژوا سماج اور اس کی بنیاد یعنی نجی ملکیت کا بھی تجزیہ کیا جائے۔ جب ایسا کیا جاتا ہے تو ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ کارتھیج (بورژوا معاشرت) کا خاتمہ ضروری ہے۔

لینن نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا اور کہا ''تم نے اپنے رفقا اور اپنی پارٹی کا ایک اچھے وکیل کی طرح دفاع کیا ہے۔ جو کچھ تم نے کہا درست ہے لیکن ان غلطیوں کا جواز تلاش کیا جائے جو کامریڈوں نے وہاں کی ہیں، غلطی بہرحال غلطی ہے۔ کیا تم مجھے خلوص دل سے یقین دلا سکتی ہو کہ پڑھائی اور بحث کے دوران جنس اور شادی کے مسائل پر تاریخ اور سائنسی نقطہ نگاہ سے گفتگو ہوتی ہے۔ تم جانتی ہو کہ اس کے لیے وسیع مطالعے کی ضرورت ہے اور مارکسی نظریات کا گہرا علم ضروری ہے، کیا یہ بات درست

نہیں کہ وہ پمفلٹ جس کا ہم نے ذکر کیا ہے، پڑھائی اور بحث کی میٹنگوں میں پڑھا جاتا ہے اوراس کی اشاعت وتشہیر مزدور عورتوں میں کی جاتی ہے، حالانکہ ضرورت اس بات کی تھی کہ اس پر تنقید کی جاتی،جنس اور شادی کے بارے میں غیر مارکسی نظریہ کیوں اختیار کیا گیا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جنس اور شادی کے مسائل معاشرتی مسائل کا حصہ نہیں سمجھے جاتے بلکہ اس کے برعکس معاشرتی مسائل کو ان کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اہم نکات پس منظر میں چلے جاتے ہیں، اور وہ نظر سے اوجھل ہو جاتے ہیں اور مزدور خواتین کا طبقاتی شعور کند ہو جاتا ہے۔

حضرت سلیمان کا قول ہے کہ ہر کام کرنے کا ایک وقت ہوتا ہے۔ یہ بات کتنی درست ہے، میں تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ وقت مزدور عورتوں کو مہینوں اس بحث میں الجھائے رکھنے کا ہے کہ محبت کیسے کی جاتی ہے؟ کسی کو اپنا کیسے بنایا جاسکتا ہے؟ اور یہ بتانے کا ہے کہ ماضی میں مختلف نسلوں اور اقوام کے شادی کے رسم ورواج کیا تھے؟ اس کام کو فخریہ تاریخ مادیت کا نام دیا جاتا ہے۔ آج تو ضرورت اس بات کی ہے کہ کمیونسٹ عورتیں اور مزدور عورتیں اپنی ساری توجہ پرولتاری انقلاب پر لگائیں۔انقلاب کے بعد سماج کی مادی بنیاد بھی بدل جائے گی، اور مادی اور سماجی رشتوں میں بنیادی تبدیلیاں واقع ہو جائیں گی۔ فی الحال ہمیں شادی کے رسم و رواج پر بحث کرنے کی بجائے انقلاب کے مسائل پر بحث کرنی چاہیے، کیا اب وقت آگیا ہے کہ ہم آسٹریلیا کے اصلی باشندوں کے شادی بیاہ کے رسوم پر غور کریں یا قدیم زمانے کے اس رواج پر بحث کریں کہ اس وقت بہن اور بھائی کے مابین شادی ہوسکتی تھی؟۔

جرمن مزدوروں کو ورسیلز کے معاہدے کے مضر اثرات اور مزدور راج کے قیام پر بحث کرنی چاہیے، کیونکہ اس معاہدے کا برا اثر عورتوں کی زندگی پر بھی پڑنے والا ہے۔ اس معاہدے کے نتیجے میں بے روزگاری بڑھے گی، اجرتیں کم ہوں گی، ٹیکسوں میں اضافہ ہوگا، قصہ مختصر میں اس قسم کی سیاسی اور سماجی تعلیم کو مضر سمجھتا ہوں جس کا جرمنی میں چرچا ہے۔میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ تم اب تک خاموش کیوں ہو؟ تمہیں اس قسم کی بحثوں کو سختی سے روکنا چاہیے تھا۔

میں نے اپنے دوست عظیم لینن کو بتایا کہ میں اس قسم کی بحث کرنے والوں پر نکتہ چینی کرتی رہی ہوں اور خواتین رفقا کو تنبیہہ کرتی رہی ہوں۔آپ جانتے ہی ہیں کہ گھر کی مرغی دال برابر، میری تنقید کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ میں انقلابی نہیں رہی ہوں، میری نکتہ چینی کا یہ اثر ضرور رہا ہے کہ اب شادی اور جنس کے مسائل پر پارٹی کے اندر بحث نہیں ہوتی۔

لینن نے سلسہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا ''ہاں میں یہ جانتا ہوں، کئی ایک رفیق مجھے بھی پرانی وضع کا انسان سمجھتے ہیں۔اس قسم کا رویہ قابل نفرت ہے۔اس سے تنگ نظری اور منافقت کی بو آتی ہے۔اس نکتہ چینی کا میں کوئی اثر قبول نہیں کیا ہے۔ وہ رفیق جو بورژوازی کے انڈوں سے ابھی ابھی پیدا ہوئے ہیں، بڑے چالاک ہیں ہمیں ان کے ساتھ کام کرنا ہے اور انہیں برداشت کرنا ہے ان کی نکتہ چینی سے گھبرا کر ہم اپنے اصول ترک نہیں کرسکتے ،جنس اور شادی کی ان بحثوں نے نوجوانوں کو بھی ایک حد تک متاثر کیا ہے''۔

لینن نے جدت پسندی کا خاصا مضحکہ اڑایا ''مجھے بتایا گیا ہے کہ تمہارے ہاں نوجوانوں کی تنظیموں میں بھی جنس کی بحث بہت مقبول ہے، یہ خرافات نوجوان کی تحریک کے لیے بہت مضرت رساں ہے، اگر یہ رسم جاری رہی تو وہ اپنا سارا وقت انہی جنسی مسائل پر ضائع کریں گے۔اس سے ان کی ذہنی نشو ونما کو نقصان ہوگا اور ان کے انقلابی جذبے کو ٹھیس پہنچے گی، ہماری پارٹی کے اندر اور نوجوانوں اور خواتین کی عوامی تنظیموں میں نوجوان مردوں اور عورتوں کے ملنے کے بہت مواقع موجود ہیں، ہماری کمیونسٹ عورتوں کو نوجوانوں کی تحریکوں کی طرف توجہ دینی چاہیے اور نوجوانوں کی طرف ان کا رویہ مشفقانہ ہونا چاہئے، یہ رویہ نوجوانوں میں بلند نظری اور ایثار پیدا کرے گا، اور انفرادی سوچ کی بجائے اجتماعی انداز فکر دے گا،عورتوں میں سماجی شعور پیدا کرنے کی ضرورت ہے تاکہ تنگ نظری کے ماحول، انفرادی نفسیات اور خاندانی تعصّبات سے ان کی نجات ہو لیکن یہ تمام امور ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔

ہمارے ملک میں بھی نوجوانوں کی خاصی تعداد سرمایہ دارانہ نظام کے جنس اور اخلاق کے بارے میں تصورات کو الٹ پلٹ کر رہے ہیں، مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ اس کام میں ہمارے بہترین لڑکے لڑکیاں اور نونہال نوجوان تک ملوث ہیں، مجھے علم ہے کہ جنگ کے بعد کے حالات نے یہ صورتحال پیدا کی ہے، انقلاب کی ابھی ابتدا ہوئی ہے، پرانی قدریں ٹوٹ رہی ہیں۔ معاشی اور سماجی بنیادی تبدیلیاں عمل میں آرہی ہیں۔معاشی بنیاد کے بدل جانے سے پرانے ادارے، پرانی اقدار اور پرانے نظریات کی مادی بنیاد ختم ہوگئی ہے۔ نئے ادارے نئے خیالات اور نئی اقدار اس ملبے میں آہستہ آہستہ جنم لے رہی ہیں، لوگوں کے آپس کے تعلقات، مرد اور عورت کے مابین رشتوں، ان کے جذبات اور احساسات غرضیکہ زندگی کے ہر شعبے میں تبدیلیاں رونما ہورہی ہیں، انفرادی ذمہ داریاں قبول کررہے ہیں، پرانا سماج مکمل انتشار کا شکار ہے اور اس انتشار میں سے نئی زندگی جنم لے رہی ہے، مختلف رجحانات کی سمت اور توانائی بھی ابھی واضح اور مثبت شکل اختیار نہیں کرسکی، تم جانتی ہو کہ پرانے سماج کی شکست وریخت کا عمل اور نئے سماج کے جنم کا عمل سست رفتار اور اکثر دردناک ہوتا ہے، جہاں تک شادی بیاہ، جنس اور خاندانی معاملات کا تعلق ہے ان میں بھی اتھل پتھل ہو رہی ہے۔ بورژوا سماج کی رسمیں، شادی بیاہ کے بدبودار رواج مشکل سے مرتے ہیں، بورژوا سماج میں شوہر بااختیار ہوتے ہیں۔اور ان کی بیویاں ان کی لونڈیاں ہوتی ہیں، مرد جو چاہتے ہیں کرتے ہیں، ان کی جنسی زندگی منافقت سے بھری ہوتی ہے ان کے

اخلاق جھوٹے ہوتے ہیں، ان کی ساری زندگی قابل نفرت ہوتی ہے۔

’’سرمایہ داری نظام کی شادیاں جبر کا نتیجہ ہوتی ہیں اور اس نظام کے قوانین خاندانی بندشوں کو بڑھاتے ہیں اور خاندانی رشتوں میں تضادات پیدا کرتے ہیں، یہ جبر جائیداد کی نجی ملکیت کا جبر ہے، سرمایہ داری نظام میں ہر طرف کمینگی اور غلاظت بھری پڑی ہے، معزز بورژوا سماج منافقت کا دوسرا نام ہے عوام اس نفرت انگیز نظام کے خلاف بغاوت کر رہے ہیں اور ایسے وقت میں جبکہ طاقت کا پہلا توازن بگڑ رہا ہے اور سماجی زندگی بدل رہی ہے، ایسے وقت میں افراد کے جذبات اور احساسات بھی تیزی سے بدلتے ہیں، عیش و عشرت کے لیے تڑپ اور پیاس ناقابل مزاحمت قوت بن جاتی ہے، جنس اور محبت کے معاملے میں اصلاحی اقدامات سے کچھ نہیں بنے گا، اب ان تعلقات میں انقلاب برپا ہو رہا ہے، پرولتاری انقلاب نے پرانی تصورات اور اداروں کی بنیادیں ہلا دی ہیں، انقلاب کے نتیجے میں خواتین اور نوجوان پیچیدہ سماجی معاملات میں گہری دلچسپی لے رہے ہیں، جنسی آزادی اگر بے راہروی کی صورت اختیار کر لے تو یہ عورتوں اور نوجوانوں کے لیے مضرت رساں بن جاتی ہے، نوجوان پرانے رشتوں کے خلاف بغاوت کر رہے ہیں، اور یہ بالکل فطری بات ہے، اس سے زیادہ غلط بات نہیں ہوسکتی کہ نوجوانوں کو راہبانہ زندگی کا درس دیا جائے، اور بورژوا سماج کی اخلاقیات کی پابندی کی تلقین کی جائے، لیکن یہ بھی کوئی اچھی بات نہیں کہ ایسے وقت میں جب انقلاب ترقی کر رہا ہے، وہ اپنے ذہنوں میں جنس اور شادی کے مسائل کو نمایاں حیثیت دیں، اس کے نتیجے خطرناک حد تک نقصان دہ ہیں آپ کامریڈ لی لی نا سے پوچھے، اس کے ماتحت والے تعلیمی اداروں میں اس کو تجربہ ہوا ہے وہ اس صورت حال کو زیادہ وضاحت سے بتا سکے گی، آپ جانتی ہیں کہ وہ کمیونسٹ ہے اور ہر قسم کے تعصّبات سے پاک ہے۔

’’نوجوانوں میں جنس کے بارے میں جو تبدیلی پائی جاتی ہے وہ بنیادی ہے اور اس کے پیچھے نظریہ کی طاقت کارفرما ہے، بہت سے لوگ ان کے اس نقطہ نظر کو انقلاب اور کمیونسٹ کہتے ہیں اور صحیح سمجھتے ہیں، ادھیڑ عمر آدمی ہوں مجھے ان کا یہ نقطہ نظر پسند نہیں ہے، آپ کہیں گی کہ میں درویش ہوں لیکن مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ نوجوانوں کا یہ نقطہ نظر کسی حد تک بڑوں کا بھی نقطہ نظر ہے۔ اور اس کی تہہ میں بورژوا عہد کے قحبہ خانوں کا تصور کارفرما ہے۔ اس نقطہ نگاہ کا کوئی تعلق ہم کمیونسٹوں کے نقطہ نگاہ سے نہیں ہے۔ آپ نے اس مشہور نظریے کے بارے میں سنا ہوگا جس کے مطابق کمیونسٹ سماج میں جنسی جذبہ کی تسکین ایسے ہی ہوگی جیسا پیاس لگنے پر پانی کا گلاس پینا ہوتا ہے۔ کمیونسٹوں کے بارے میں یہ بالکل غلط بات ہے کہ وہ پانی کے گلاس کے نظریہ کو مانتے ہیں۔ ہمارے نوجوانوں کا ایک حصہ پانی کے گلاس کے نظریہ پر عمل پیرا ہو گیا ہے۔ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے یہ نظریہ زہر قاتل ہے۔

’’اس نظریہ کو ماننے والے کہتے ہیں کہ یہ مارکسی نظریہ ہے، لیکن اصل بات یہ ہے کہ اس نظریہ کا مارکسزم سے کوئی واسطہ نہیں ہے، یہ درست ہے کہ نظریاتی بالائی عمارت کسی سماج کی معاشی بنیاد پر استوار ہوتی ہے لیکن نظریاتی بالائی عمارت اور معاشی بنیاد کا تعلق اتنا سادہ نہیں ہے، فریڈرک اینگلز نے اپنی کتاب ’’خاندان، نجی ملکیت اور ریاست کا آغاز‘‘ میں ان مسائل کے بارے میں صحیح مارکسی نقطہ نگاہ پیش کیا، پانی کے گلاس کا نظریہ غیر مارکسی ہے اور سماج دشمن بھی ہے۔ جنس کا جذبہ صرف فطری جذبہ نہیں ہے اس کا تعلق انسانی تہذیب سے بھی ہے، اس وقت بھی تھا جب تہذیب کی ابھی ابتدا ہوئی تھی اور اس وقت بھی جب تہذیب سوشلسٹ تہذیب میں تبدیل ہو رہی ہے۔ اینگلز نے اپنی مذکورہ کتاب میں ثابت کیا ہے کہ مشترکہ جنسی تعلقات انفرادی تعلقات میں تبدیل ہوئے اور پھر ان کی بنیاد محبت قرار پائی اور اس طرح یہ ایک مقدس رشتہ بن گیا مرد اور عورت کا باہمی رشتہ صرف حیوانی جذبہ کی تسکین نہیں ہے، اس میں عقل کو بھی دخل ہے۔ سماج کی معاشی بنیاد بدلنے سے اس پر استوار بالائی عمارت بدل جاتی ہے۔ لیکن جنس کے بارے میں جذبات و احساسات کو سماج کے دوسرے رشتوں سے الگ کر کے نہیں دیکھا جاسکتا۔ یہ درست ہے کہ پیاس لگے تو اسے بجھایا جاسکتا ہے لیکن کیا کوئی باہوش انسان شہر کی گندی نالی سے پانی پینا پسند کرے گا یا متعفن اور غلیظ جوہڑ میں سے، یا ایسے گلاس سے پانی پیے گا جس پر بیسیوں لوگوں کے ہونٹوں کے نشان لگے ہوئے ہوں۔ یہ تو اس سوال کا انفرادی پہلو ہے۔ لیکن اس کا سماجی پہلو زیادہ اہم ہے۔ جب کسی کو پیاس لگتی ہے تو لازماً وہ پانی پیتا ہے، محبت کا معاملہ تو دو ہستیوں سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کے باہمی تعلق کا سماجی پہلوں بھی ہے اور وہ ان کی اولاد ہے۔ اور یہ ان سماجی ذمہ داری ہے کہ وہ آئندہ نسل کی پرورش کریں۔

’’ایک کیمونسٹ کی حیثیت سے مجھے پانی کے گلاس کا نظریہ سخت ناپسند ہے۔ اس نظریہ کو پیش کرتے وقت یہ کہا جاتا ہے کہ اس کا مقصود محبت کو آزاد کرنا ہے۔ لیکن محبت کو آزاد کرنے کا یہ نظریہ نیا ہے اور نہ کیمونسٹ ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ گذشتہ صدی کے ادب میں آزادی دل کے نام سے اس نظریہ کی تشہیر کی گئی تھی۔ بورژوا سماج میں اس پر عمل بھی کیا گیا۔ یہ خالص حیوانی جذبہ کی تسکین ہے۔ اس وقت اس نظریہ کو پیش کرنے والے بڑے ذہین لوگ تھے۔

میری اس ساری تنقید کا مقصد یہ نہیں ہے کہ میں رہبانیت کا مبلغ ہوں۔ میرا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے۔ کمیونزم رہبانیت نہیں ہے۔ یہ مسرت و بلند کرداری اور توانائی کا نام ہے اور کمیونزم میں محبت کی زندگی ہمہ جہتی زندگی ہے، لیکن آج میری رائے میں جس انداز میں جنس کی تبلیغ کی جارہی ہے اس سے نہ مسرت ملتی ہے اور نہ توانائی، اور نہ بلند کرداری حاصل ہوتی ہے۔ انقلاب کے عہد میں یہ عمل برا ہے اور بہت برا ہے۔ اس سے نوجوانوں کی جسمانی اور ذہنی صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔

’’نوجوان لوگ خوشی اور توانائی کے حقدار ہیں، انہیں صحت مند کھیلوں کی ضرورت ہے۔ ان کے لیے تیرا کی تالاب تعمیر ہونے چاہیں، سیر و سیاحت کا بندوبست ہونا

چاہیے، اوراس کے ساتھ ساتھ ذہنی تربیت کا بھی انتظام ہونا چاہیے تاکہ وہ علم حاصل کریں، مطالعہ کریں، تحقیق کریں۔ اور ان سب کاموں کا انتظام کچھ اس طرح ہونا چاہیے کہ وہ یہ سب کام اجتماع انداز سے کریں۔'' جو جی میں آئے کرو آزادی اسی کا نام ہے'' جیسے نعرے فضول ہیں۔ جنسی مسائل پر لمبی لمبی بحثوں کی بجائے نوجانوں کو زیادہ مفید اور صحت مند کھیلوں کی طرف لگانا چاہیے، نہ راہب بنو، نہ ہوس پرست، اور نہ ان دونوں کے درمیان کا راستہ تلاش کرو آپ کامریڈ ایکس کو جانتے ہیں یہ بہت اچھا لڑکا ہے اس میں بہت خوبیاں ہیں لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ وہ کچھ نہیں بن سکے گا۔ وہ بھنور لڑکیوں کے پیچھے بھاگتا پھرتا ہے۔ سیاسی تحریک میں اور انقلابی تحریک میں ایسے نوجوان غیر مفید ہیں۔ میں اس خاتون کی مستقل مزاجی اور قابل اعتماد کردار کا یقین نہیں کرسکتا جو ایسے مردوں سے عشق کرتی ہے جو ہر خوبصورت چہرے کے پیچھے بھاگنا شروع کردیتے ہیں۔ میں ایسی خواتین اور مردوں پر اعتبار نہیں کرسکتا، انقلابی سرگرمیوں کے لیے ایسی خواتین اور ایسے مرد انقلابی تحریکوں کو نقصان پہنچاتے ہیں''۔

لینن اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے میز پر مکار مارا اور کمرے میں ٹہلنا شروع کردیا۔ اور ٹہلتے ہوئے اپنی گفتگو جاری رکھی انقلاب عوام اور افراد سے یکسوئی اور مکمل توجہ کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ پریشان خیالی اور پراگندگی برداشت نہیں کرسکتا، جنسی بے راہروی بورژواطبقہ کی گندگی ہے، یہ تنزلی کا نشان ہے۔ مزدور طبقہ ہے اسے منشیات کی ضرورت نہیں ہے، بورژوا طبقہ اپنے ہیجان کو کم کرنے یا اسے پیدا کرنے کے لیے منشیات کا استعمال کرتا ہے۔ مزدور طبقہ کو ان کی ضرورت نہیں ہے۔ شراب اور عورت سے شغف اور جنسی گمراہی مزدور طبقہ کی ریت نہیں ہے۔ اس نے سرمایہ داری کا ظلم، جبر، غلاظت اور کمینگی دیکھی ہے، وہ اسے فراموش نہیں کرسکتا، وہ سماج میں اپنی طبقاتی حیثیت سے جدوجہد کا راستہ اور انقلاب کا حوصلہ پاتا ہے اور کمیونسٹ نظریات اس میں انقلابی جذبہ ابھارتے ہیں، جس چیز کی ضرورت ہے وہ شعور اور وضاحت ہے، میں بار بار دوہراتا ہوں کہ ان معاملات میں ہمیں کمزوری نہیں دکھانی چاہیے اور نوجوانوں کو اپنی توانائی کو منتشر کرنے سے روکنا چاہیے، ضبط نفس اور ڈسپلن غلامی نہیں ہے۔

کلارا مجھے معاف کیجئے کہ میں اس نقطہ سے بہت دور نکل گیا جس پر ہم نے بحث شروع کی تھی، آپ نے مجھے روکا کیوں نہیں، نوجوانوں کی کجروی میرے لیے پریشانی کا باعث ہے۔ نئی نسل کے مستقبل سے مجھے محبت ہے، ان کا مستقبل ہمارے انقلاب کا مستقبل ہے۔ جب سرمایہ دار سماج کی غلاظتیں انقلاب کی دنیا میں داخل ہوجاتی ہیں اور فصلوں میں جڑی بوٹیوں کی طرح پھیلنے لگتی ہیں تو جس طرح فصلوں کی حفاظت کرنے کے لیے ان جڑی بوٹیوں کو دور کرنا ضروری ہے اسی طرح انقلاب کو بھی ان کجرویوں سے بچانا ضروری ہے، جن سوالات پر میں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے یہ خیالات عورتوں کے مسائل سے بھی متعلق ہیں''۔

لینن نے پرجوش انداز میں ساری گفتگو کی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی تقریر کا ہر لفظ دل کی گہرائیوں سے نکل رہا ہے۔ اس کے جذبات اس کے چہرے سے بھی عیاں تھے۔ وہ گاہے گاہے اپنی دلیل میں زور ڈالنے کے لیے ہاتھ یا سر ہلاتا تھا تاکہ اس کی دلیل کی اہمیت مجھ پر واضح ہوجائے میں حیران تھی کہ وہ ان غیر اہم معاملات پر بھی اتنی توجہ دیتا تھا اور ان معاملات کا علم رکھتا تھا وہ سیاست کے پیچیدہ مسائل کے ساتھ ساتھ ان مسائل کو بھی نظر انداز نہیں کرتا تھا۔

لینن عظیم مارکسی تھا۔ وہ خاص نقطہ کو خواہ وہ کسی جگہ کسی صورت میں نمایاں ہو اپنی گرفت میں لے لیتا تھا۔ وہ کس جگہ اور کہاں کہاں اثر انداز ہورہا ہے اس کو سمجھ جاتا تھا۔ اس کا ایک ہی مقصد تھا کہ انقلاب کو تیزی سے منزل کی طرف لے جایا جائے اور عوام کو اس کے لیے تیار کیا جائے۔ اس کی ساری کی ساری توجہ انقلاب پر مرکوز تھی۔ ہر چیز کی قدر و قیمت وہ اس سے لگاتا تھا کہ اس کا انقلاب کی شعوری قوتوں پر کیا اثر ہوگا۔ ملکی سطح پر بھی اور عالمی سطح پر بھی۔ اس نے ہر ملک کی تاریخی صورتحال کا بغور مطالعہ کیا تھا اور وہ جانتا تھا کہ وہاں انقلاب کس سطح پر ہے۔ اس کے نزدیک مزدور انقلاب عالمی انقلاب تھا۔

میں نے کہا'' کامریڈ لینن! مجھے افسوس ہے کہ آپ کے ان خیالات کو ہزاروں لاکھوں لوگوں نے نہیں سنا۔ آپ جانتے ہیں کہ میں آپ کے ہم خیال ہوں لیکن یہ کتنا ضروری تھا کہ دوست اور دشمن سب آپ کے ان خیالات کو سنتے''۔

لینن مسکرایا اور کہا کہ ہوسکتا ہے کہ میں کسی دن ان سوالات کے بارے میں لکھوں۔ لیکن ابھی نہیں۔ کیونکہ ابھی میرے پاس وقت نہیں ہے، اس وقت ہمارا سارا وقت دوسرے سوالات کو حل کرنے میں صرف ہورہا ہے۔ اس وقت پیچیدہ اور اہم معاملات درپیش ہیں۔ ابھی سوویت اقتدار کو مستحکم کرنے کی جدوجہد جاری ہے، ینگل ابھی تک جنوب میں انقلاب دشمن سرگرمیوں میں مصرف ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم اس سے نپٹ لیں گے، اور جب ہم اس سے نپٹ لیں گے تو انگریز اور فرانسیسی سامراج اور ان کے ہم نواؤں سب کو روس کے اندر مداخلت پر غور کرنا پڑے گا۔ اور اپنی فوجوں کو واپس بلانا پڑے گا، سب سے مشکل کام تو تعمیر کا ہے جس کو ابھی شروع نہیں کیا گیا۔

میں نے لینن کو یقین دلایا کہ میری بھی یہی رائے ہے لیکن بلاشبہ اس کی مخالفت تو ہوگی، غیر یقینی اور بزدل ذہن کے لوگ اسے مشکوک موقع پرستی کہہ کر رد کردیں گے۔ نہ اس سے ہی انکار ہوسکتا ہے کہ خواتین کے لیے ہمارے موجودہ مطالبات کو غلط طور پر سمجھا جائے گا اور اس کی غلط تشریح کی جائے گی۔

''اس کا کیا ہے؟''، لینن کہہ اٹھا، کچھ ناراضگی سے ''یہ خطرہ تو ہر اس چیز میں موجود ہے جو ہم کہتے اور کرتے ہیں۔ اگر ہم اس طرح ڈرنے لگے اور یوں مناسب اور ضروری کاموں کے کرنے سے رک گئے تو ہم انڈین سٹالائٹ کی طرح ہوجائیں گے (قدیم زمانے کے بعض لوگ جو بستیوں سے الگ اونچے ستونوں کے اوپر رہائش پذیر

ہوجاتے تھے) ہمیں کسی طور پر سرکنا نہیں چاہیے ورنہ ہم اپنے اصولوں کے بلند ستونوں سے نیچے لڑھک جائیں گے۔ ہمارے تئیں صرف اتنا معاملہ نہیں ہے کہ ہم کیا مطالبہ کرتے ہیں بلکہ یہ بھی کہ ہم کیسے مطالبہ کرتے ہیں مجھے یقین ہے کہ میں نے اس کی کافی وضاحت کردی ہے۔ یہ بات بحث طلب سمجھی جاتی ہے کہ اپنے پروپیگنڈے میں ہمیں خواتین کے مطالبات کے ضمن میں لکیر کا فقیر ہونا چاہیے، جی نہیں، ہمیں موجودہ حالات کے مطابق ابھی کسی مطالبات اور پھر کبھی دوسرے مطالبات کے لیے جدوجہد کرنا چاہیے اور یہ قدرتی طور پر ہمیشہ پرولتاریہ کے مفاد عامہ کے مطابق ہو۔

اس قسم کی ہر کشمکش ہمیں بورژوا معزز لے اور اس کے اصلاح پسند کاسہ لیسوں کے مدمقابل کھڑا کرتی ہے۔ اس سے موخرالذکر کو یا تو ہماری قیادت میں لڑنے کے لیے مجبور ہونا پڑتا ہے جو کہ وہ نہیں چاہتے یا پھر اپنا لبادہ اتارنا پڑتا ہے۔ لہٰذا اس طرح یہ جدوجہد ان سے الگ ہمارے گرد باڑ کھینچتی ہے اور ہمارا کمیونسٹ روپ دکھاتی ہے۔ یہ ہمارے لیے ان وسیع تر خواتین کا اعتماد جیتتی ہے جو مردوں کے تسلط، اپنے آجروں کی طاقت اور مجموعی طور پر بورژوا سماج سے خود کو استحصال زدہ، محکوم اور کچلی ہوئی محسوس کرتی ہیں۔ جب سب لوگ محنت کش خواتین کو چھوڑ دیتے ہیں اور ان سے غداری کرتے ہیں تو پھر وہ جان لیتی ہیں کہ انہیں ہمارے ساتھ باہم جدوجہد کرنا ہوگی۔ کیا میں یہ اعتراف کروں یا آپ سے کراؤں کہ خواتین کے حقوق کے لیے جدوجہد کو ہمارے بڑے مقصد، یعنی اقتدار کی فتح اور پرولتاریہ کی آمریت کے قیام سے بھی منسلک ہونا چاہیے؟ گو محنت کش عورتوں کی بڑی تعداد ریاستی اقتدار سے لگاؤ نہیں رکھتی۔ فی الحال تو یہ بات ہمارے لیے اول و آخر ہے اور رہے گی۔ یہ واضح ہے اور بالکل واضح۔ بلکہ محنت کش خواتین کی وسیع تر تعداد تو ریاستی اقتدار کی جستجو کی طرف بہت زیادہ کھنچا ہوا محسوس ہی نہیں کرے گی اگر ہم صرف ایک ہی مطالبے کی رٹ لگا دیں اور خواہ زور زور سے اس کے ڈھول ہی گلیوں نہ پیٹنا شروع کر دیں۔ نہ ہزار مرتبہ نہیں ہمیں اپنی اپیل کو محنت کش خواتین کی تکالیف، ضرورتوں اور امنگوں سے سیاسی طور پر ہم آہنگ کر کے عام عورتوں کے زہن میں بٹھانا چاہیے، ان سب کو جان لینا چاہیے کہ پرولتاری آمریت ان کے لیے کیا مطلب رکھے گی۔۔۔ مردوں کے ساتھ حقوق کی مکمل مساوات۔۔۔ قانوناً بھی اور عملاً بھی، کنبے، ریاست اور سماج کی سطح پر بھی۔ لیکن ایسا کچھ بورژوازی کو اقتدار سے ہٹا کر ہی ہوسکتا ہے۔ سوویت روس ایسا کرسکتا''۔

''سوویت روس ایسا ثابت کرسکتا ہے''۔ میں کہہ اٹھی۔ ''یہ ہماری عظیم فتح ہوگی!''

لینن کہتا چلا گیا:

''سوویت روس خواتین کے لیے ہمارے مطالبات پر ایک نئی روشنی ڈالتا ہے۔ پرولتاری یہ کی آمریت تلے۔ یہ اب پرولتاریہ اور آمریت کے درمیان جدوجہد کا مقصد نہیں رہے بلکہ جب ایک دفعہ ان کو پورا کر دیا جائے تو یہ کمیونسٹ سماج کی تعمیر میں اینٹوں کا کام دیتے ہیں۔ یہ سرحد پار کی خواتین کو جھلک دکھاتے ہیں۔ اور اس سے پرولتاری کے لیے اقتدار کے جیتنے کی فیصلہ کن اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ پرولتاری کی انقلابی طبقاتی جدوجہد میں خواتین کی حمایت حاصل کرنے کے لیے سرحدوں کے ادھر اور اس طرف کی خواتین کے مرتبوں میں فرق کو نمایاں طور پر ابھار کر پیش کرنا چاہیے۔ کمیونسٹ پارٹیوں اور ان کی کامیابیوں کے لیے وسیع تر خواتین میں ایسی تحریک کا سوال بے حد اہم ہے جسے اصولوں کو واضح واقفیت اور مضبوط تنظیمی بنیادوں پر اٹھایا گیا ہو۔ مگر ہمیں خود کو دھوکا نہیں دینا چاہیے، ہمارے قومی حلقے ابھی تک اس سوال کو مناسب طور پر سمجھ نہیں پائے ہیں۔ جب بھی کمیونسٹ قیادت کے تحت محنت کش خواتین کی عوامی تحریک پیدا ہونے لگتی ہے یہ خاموشی کا اور رکو اور دیکھو کا رویہ اپنا لیتے ہیں۔ انہیں احساس نہیں کہ ایسی عوامی تحریک پیدا کرنا اور اس کی قیادت کرنا پارٹی کی تمام سرگرمیوں کا اہم جزو ہے۔ یہاں تک کہ پارٹی کے تمام تر کام کا نصف حصہ ہے۔ لاتعداد کمیونسٹ خواتین کی با مقصد اور مضبوط تحریک کی ضرورت اور قدر کو بے موقع تسلیم کرنے سے ان کے افلاطونی زبانی جمع خرچ کا اظہار ہوتا ہے بجائے اس کے کہ اس کو پارٹی کا باقاعدہ معاملہ اور کام سمجھیں۔

یہ خواتین میں ایجی ٹیشن کرنے اور پروپیگنڈا کرنے اور انہیں ابھارنے اور انقلابی بنانے کے کام کو ثانوی اہمیت دیتے ہیں جیسے کہ ایسا کرنا صرف خاتون کمیونسٹوں ہی کی ذمہ داری ہو۔ معاملہ تیزی سے اور زور سے آگے بڑھنے کی وجہ سے ان ہی کی ملامت کیا جاتا ہے۔ یہ غلط ہے، بنیادی طور پر غلط! یہ صریحاً علیحدگی پسندی ہے۔ اس طرح تو خواتین کی مساوات الٹ ہوجاتی ہے۔ ہمارے قومی حلقوں کے اس غلط رویے کی تہہ میں آخر کیا ہے؟ میں سوویت روس کی بات نہیں کررہا۔ آخر نتیجے کے طور پر یہ تو خواتین کے اور ان کی کارگزاریوں کے کم انداز والی بات ہے۔ جی یہ بالکل ایسا ہی ہے۔ بدقسمتی سے ہم اپنے بہت سے کامریڈوں کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ کمیونسٹوں کو جو ٹٹولو تو اندر سے نامعقول آدمی نکلے''۔ یقین کرنے کے لیے آپ کو حساس جگہوں کو ٹٹولنا ہوگا جیسے کہ خواتین کے بارے میں ان لوگوں کی زہنیت۔ اس سے زیادہ صریح ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے کہ آدمی عموماً نظر آئے کہ وہ عورت کو فضول، یک رنگ اور طاقت و وقت خرچ کر کے بے حال ہوتا ہوا دیکھتا رہے اور پھر ان کے جذبے کو سکڑتے، ان کے زہن کو کند ہوتے، ان کے دل کی دھڑکوں کو کمزور ہوتے اور ان کی مرضی کو گھٹتے ہوئے دیکھتا ہی رہے؟ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ میں ان بورژوا خواتین کا حوالہ نہیں دے رہا جو گھر کے تمام کاموں اور اپنے بچوں کی نگہداشت کو کرائے کے ملازموں پر ڈال رکھتی ہیں۔ جو میں کہہ رہا ہوں اس کا اطلاق خواتین کی ایک بڑی اکثریت پر ہوتا ہے جن میں مزدوروں کی بیویاں بھی شامل ہیں خواہ وہ سارا دن فیکٹری میں گذار کر ہی پیسے کیوں نہ کمار ہی ہوں۔

''بہت کم شوہر ایسے ہوتے ہیں، ان میں پرولتاری لوگ بھی ہیں جو یہ سوچیں کہ وہ اپنی بیویوں کے کتنے بوجھ اور پریشانیاں ہلکی کرسکتے ہیں یا انہیں کلی طور پر نجات

دلا سکتے ہیں اگر وہ خواتین کے کام میں ہاتھ بٹادیں، مگرنہیں جی یہ تو ''شوہر کے وقار' کے خلاف ہوگا، وہ مطالبہ کرتا ہے کہ اسے آرام وسکون ملے، عورت کی خانگی زندگی تو ہزاروں غیرضروری جھنجھٹوں کے لیے روزانہ قربانی سے عبارت ہے۔ اس کے شوہر کے آقا وسرتاج کے قدیم حقوق چلے آرہے ہیں۔ معروضی طور پر اس کی باندی اپنا انتقام لیتے رہتی ہے مخفی شکل میں بھی۔ اس کی پس ماندگی اور اپنے شوہر کے انقلاب خیالات سے عدم واقفیت شوہر کے لڑنے کے جذبے اور ادارے کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے، ایسی خواتین کی مثال ان ننھے کیڑوں کی سی ہے جو سستی سے مگر مسلسل، اندر ہی اندر سے چاٹتے رہتے ہیں۔ اور محسوس ہوئے بغیر جڑوں کو کھوکھلا کردیتے ہیں، میں محنت کشوں کی زندگی سے آگاہ ہوں، اور صرف کتابوں کے ذریعے ہی نہیں، خواتین میں ہمارے کمیونسٹ کام اور سیاسی کام کے دوران مردوں پر خاصا تعلیمی کام کرنے کی ضرورت ہے، ہمیں پارٹی میں بھی اور عوام میں بھی پرانا غلام داری نقطہ نظر اکھاڑ پھینکنا چاہیے، یہ کام ہمارے سیاسی کاموں میں سے ایک ہوگا، ایسا کام جو محنت کش خواتین میں پارٹی کے کام کرنے کے لیے وسیع نظریاتی اور عملی تربیت یافتہ کامریڈوں اور مردوں وخواتین کے سٹاف کی تشکیل کی طرح ازبس ضروری ہے''۔

سوویت روس میں آج کل کے حالات کے بارے میں میرے سوال پر لینن نے جواب دیا۔

''پرولتاری آمریت کی حکومت کمیونسٹ پارٹی اور ٹریڈ یونینوں سے بلاشبہ اشتراک کے ساتھ مردوں اور عورتوں کے پس ماندہ خیالات سے نپٹنے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہے اور یوں پرانی، غیرکمیونسٹ نفسیات کو اکھاڑ دیتی ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ مرد اور عورت قانون کے سامنے کامل طور پر مساوی حیثیت رکھتے ہیں، اس مساوات کو موثر بنانے کی مخلصانہ خواہش تمام شعبوں میں ہے۔ ہم معیشت، انتظامیہ، مقننہ اور حکومت میں کام کرنے کے لیے خواتین کی فہرستیں مرتب کررہے ہیں۔ تمام کورس اور تعلیمی ادارے ان کے لیے کھلے ہیں تاکہ وہ اپنی پیشہ وارانہ اور معاشرتی تربیت کو بہتر بناسکیں۔ ہم کمیونٹی باورچی خانوں اور طعام خانوں، دھوبی خانوں اور ورکشاپوں، بچوں کی نرسریوں، کنڈرگارٹنوں، بچہ گھروں اور ہر قسم کے تعلیمی اداروں کو منظم کررہے ہیں، مختصر یہ کہ ہم خانہ داری اور تعلیم کے کاموں کو انفرادی خانگی سطح سے سوسائٹی کی سطح پر منتقل کرنے کے اپنے پروگرام کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ہر طرح سے سنجیدہ ہیں، عورت کو اس کی گھریلو غلامی اور اپنے شوہر پر کلی انحصار سے چھٹکارا دلایا جارہا ہے، اسے اس قابل بنایا جارہا ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں اور رجحانات کے مطابق معاشرے میں مکمل کردار ادا کرے، بچوں کو پھلنے پھولنے کے لیے گھر سے بہتر مواقع مہیا کیے جارہے ہیں، ہماری خواتین کے لیے لیبر قوانین دنیا بھر میں سب سے زیادہ ترقی پسند ہیں اور ان پر عمل درآمد منظم مزدور برادری کے بااختیار نمائندوں کے ذریعے ہوتا ہے۔ ہم زچہ خانے، ماں بچہ کے گھر، ماں کی صحت کے مرکز، بچے کی نگہداشت کے کورس ونمائش اور اسی طرح کی دوسری چیزیں قائم کررہے ہیں۔ ہم حاجتمند اور بے روگار خواتین کی ضرورت پوری کرنے کے لیے ہر کوشش کررہے ہیں، ہمیں بخوبی علم ہے کہ محنت کش خواتین کی ضرورتوں کے پیش نظر یہ سب کچھ ابھی تک بے حد قلیل ہے اور یہ ان کی حقیقی نجات کے لیے ابھی تک ناکافی ہے۔ پھر بھی زار کے زمانے اور سرمایہ دارانہ روس میں جو کچھ تھا یہ اس سے بہت بڑی جست آگے کو ہے۔ صحیح سمت میں ایک اچھی ابتدا ہے اور ہم مستقل مزاجی سے اپنے موجودہ ذرائع کے مطابق اسے ترقی دیتے رہیں گے، بیرون ملک آپ لوگ قطعی یقین کریں، ہر روز کے گزرنے پر یہ بات مزید واضح ہوتی جاتی ہے، کہ ہم لاکھوں خواتین کے بغیر ترقی نہیں کرسکتے، ذرا سوچیں کہ ایک ایسے ملک میں اس کا کیا مطلب ہے جس کی آبادی کا اسی فی صد کسانوں پر مشتمل ہو، چھوٹی کھیتی باڑی کا نتیجہ خواتین کی انفرادی غلامی اور بندش ہے، اس ضمن میں آپ ہم سے بہتر حال میں ہوسکتے ہیں بشرطیکہ آپ کی پرولتاریہ یہ سمجھ لے کہ اقتدار پر قبضہ جمانے کے لیے اور انقلاب کے لیے تاریخی طور پر وقت آن پہنچا ہے، بہت سی مشکلات کے باوجود ہم مایوسی کو آڑے نہیں آنے دے رہے ہیں، مشکلات کے بڑھنے سے ہماری قوتیں بھی بڑھ رہی ہیں، عملی ضرورت ہمیں خواتین کو نجات دلانے کے نئے طریقے ڈھونڈنے کی راہ دکھائے گی، سوویت ریاست کامریڈانہ یک جہتی سے حیرت انگیز کام کر دکھائے گی، یقیناً میری مراد کمیونسٹ معنوں میں کامریڈانہ یکجہتی سے ہے نہ کہ بورژوا معنوں میں۔ جس میں اسکا پرچار، اصلاح پسند کرتے ہیں جن کا انقلابی جوش وخروش سستے سرکے کی بو کی طرح اُڑ چکا ہو، ذاتی پہل جو بڑھ کر اجتماعی سرگرمیوں میں بدل جاتی ہے، کامریڈانہ یک جہتی سے الگ نہیں ہونا چاہیے، پرولتاری آمریت کے تحت کمیونزم کے قیام کے ذریعے خواتین کی آزادی دیہاتوں تک بھی پھیلے گی، اس ضمن میں مجھے اپنی زراعت اور صنعت کو بجلی سے چلائے جانے سے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں، یہ ایک عظیم اسکیم ہے، اس راہ میں مشکلات بہت ہیں بلکہ خوفناک طور پر بے حد ہیں، عوام میں پائی جانے والی مخفی طاقتور قوتوں کی بروئے کار لانا ہوگا، اور اس کے لیے ان کو تربیت دینا ہوگی، لاکھوں خواتین کو اس میں حصہ لینا ہوگا۔

آخری دس منٹوں میں کسی نے دو مرتبہ دروازہ کھٹکھٹایا مگر لینن بولتا رہا، اب اس نے دروازہ کھولا اور بہ آواز بلند کہا۔ ''میں آتا ہوں''۔

میری طرف مڑتے ہوا اس نے مسکرا کر کہا:

''تم جانتی ہو کلارا میں اس بات سے فائدہ اٹھاؤں گا کہ میں ایک خاتون سے ہمکلام تھا اور عورت کے بدنام زمانہ باتونی پن کا نام لے کر لیٹ ہونے کا بہانہ کروں گا۔ اگرچہ اس دفعہ یہ عورت نہیں بلکہ مرد تھا جس نے زیادہ تر گفتگو کی، عام طور پر میں یہ کہوں گا کہ تم واقعی ایک اچھی سامعہ ہو، لیکن شاید یہی بات تھی کہ جس نے مجھے اتنی وضاحت سے بیان کرنے پر راغب کیا کہ آپ حقیقت میں سنجیدگی سے سن سکتی ہو''۔

☆☆☆......☆☆☆

بدلتا عالمی منظرنامہ اور پاکستان کے مسائل

ریاض احمد شیخ

امریکی صدر ٹرمپ کی طرف سے اپنی افغان پالیسی اور پاکستان کی تنقید کی گرد ابھی بیٹھی بھی نہ تھی کہ برکس کے سربراہ اجلاس میں دہشت گردی پر تنقید کرتے ہوئے اجلاس نے ان تنظیموں کو بھی تنقید کا نشانہ بنادیا، جن کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ہماری سرزمین پر اپنا وجود رکھتی ہیں اور یہیں سے کام کرتی ہیں، امریکی صدر سے تو ایسے اعلان کی توقع کی جارہی تھی لیکن چین کی سربراہی اور چین کی سرزمین سے اسے تنقیدی اعلامیہ کا سامنے آنا پاکستان کی حکمران اشرافیہ کیلئے کسی ایٹم بم گرانے سے کم نہ تھا۔ پاکستانی اشرافیہ کے یہاں عموماً یہ خیال پایا جاتا ہے کہ چین ہرصورت میں پاکستان کے ساتھ کھڑا ہوگا، یقیناً اس خوش فہمی کی ایک طویل تاریخ ہے، ۱۹۷۱ء کی جنگ سے لے کر ممبئی حملوں تک یقیناً چینی حمایت پاکستان کے ساتھ رہی، بعدازاں جب بھی حافظ سعید، لشکر طیبہ، جیش محمد پر پابندیوں کی بات ہوئی تو چین نے سلامتی کونسل میں پیش ہونے والی ایسی قراردادوں کو ویٹو کردیا، حدتو یہ تھی کہ اعلیٰ چینی سیاسی قیادت نے بھارت کے دوروں کے دوران بھی اکثر و بیشتر پاکستان کے مؤقف کی تائید کی اور ہمیشہ پاکستان کی دہشت گردی کے خلاف جنگ میں خدمات کی بھرپور تعریف کی۔ ساتھ ہی ساتھ ہمیشہ پاکستان میں جمہوری حکومتوں کے خاتمے اور لگنے والے فوجی مارشلاؤں پر خاموش سادھے رکھی۔ چین کا ہمیشہ ہی یہ خیال رہا کہ پاکستان میں آنے والی تبدیلیاں اس کا اندرونی معاملہ ہے اور ہم پاکستانی ریاست سے اپنے بہتر تعلقات برقرار رکھیں گے، لیکن پاکستان کا خیال تھا کہ چین ہمیشہ کی طرح اسی پالیسی پر کاربند رہے گا۔ لیکن برکس کے حالیہ اجلاس میں صورتحال پاکستان کی توقعات کے برعکس نکلی، سوال یہ ہے کہ یہ کیوں ہوا؟ اس کے پس پشت کیا عوامل تھے؟ پاکستان کے لیے اس میں کیا سبق پوشیدہ ہے؟ بدلتے ہوئے عالمی منظرنا کے سے پاکستان کو کیا بات سیکھنے کی ضرورت ہے؟

یقیناً پاکستان کی سیاسی قیادت نے ملک کے وجود میں آنے سے تین ماہ قبل ہی اپنے کو دوسری عالمی جنگ کے خاتمے پر امریکہ کی قیادت میں بننے والے سرمایہ دارانہ بلاک کا حصہ بنانے کا اعلان کردیا تھا۔ یقیناً یہ بلاک سوویت یونین کے خلاف ہی تھا، پاکستانی اسٹیبلشمنٹ نے آنے والے برسوں میں اس تعلق کو مزید مضبوط بندھنوں میں باندھ دیا جبکہ دوسری طرف ملک میں قومی سوال کو دبانے اور مذہبی انتہا پسندوں کی بھرپور مدد فراہم کیے رکھی۔ ۱۹۷۹ میں جنرل ضیاء نے اپنی غیر آئینی اور غیر جمہوری سرکار کو طوالت دینے کیلئے سعودی عرب اور امریکہ کے اتحاد کا حصہ بن کر جس مذہبی انتہا پسندی اور فرقہ واریت کو اس ملک میں پروان چڑھایا اس کے خاتمے کا سنہری موقع جنرل مشرف کے ہاتھ لگا تھا، لیکن اس نے بھی پاکستانی اسٹبلشمنٹ کی دھائیوں پرانی پالیسیوں کو بغیر کسی تبدیلی کے جاری رکھا، یقیناً دنیا کو دکھانے کیلئے کچھ نامی گرامی القاعدہ سے تعلق رکھنے والے عالمی دہشت گردوں کو امریکہ کے حوالے کر کے لاکھوں کروڑوں ڈالر بٹورے لیکن ملک کی خارجہ پالیسی اور معاشی پالیسی میں کوئی تبدیلی نہ کی، نام نہاد روشن خیالی کے یہ دعوے دار ڈکٹیٹر شوکت عزیز جیسے ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کے نمائندوں کو وزیراعظم بنا کر مطمئن ہوگئے، لیکن ملک کے حقیقی مسائل کی طرف کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا گیا، نہ ہی ملک میں کوئی صنعت کاری کی گئی اور نہ ہی زرعی اصلاحات کے پروگرام کو آگے بڑھایا گیا، بلکہ ملک کے دوصوبے (بلوچستان اور خیبر پختونخوا) ایم ایم اے کے حوالے کردیئے گئے جس کے باعث ۲۰۰۷ء تک ان علاقوں میں طالبان اور مذہبی دہشت گرد اپنی بنیادیں مستحکم کرچکے تھے، اور جلد ہی سوات، بنیر اور فاٹا کا بیشتر علاقہ عملی طور پر ریاست کی عملداری سے باہر ہوچکا تھا، دہشت گردوں کے ہاتھوں پاکستان اپنے ساٹھ ہزار سے زائد بے گناہ شہری اور ۱۲۰ بلین ڈالر سے زائد گنوا بیٹھا ہے اور آج دنیا کے چند خطرناک ترین ملکوں میں شامل ہے۔

یقیناً یہ حالات چین سمیت دنیا کے دیگر ممالک کے لیے بھی باعث تشویش ہیں، شاید پاکستان کو اپنے نقصان کا اندازہ نہ ہو اور پاکستان کی اشرافیہ کو اس صورتحال سے کوئی پریشانی نہ ہو لیکن یقیناً دنیا کو ضرور ہے، جس ملک کی جامعات سیاسی طور پر باشعور نوجوانوں کے بجائے مذہبی انتہا پسند پیدا کرنے لگیں تو یقیناً یہ خطرے کی گھنٹی ہے، خطے کے ممالک کو ایسی صورتحال سے ضرور پریشانی ہونا چاہیے، روس پوری دنیا کی مخالفت لیے شام میں مذہبی انتہا پسندوں کے خلاف بھرپور جنگ میں مصروف ہے، وہ کس طرح جنوبی ایشیاء میں اور اپنے پڑوس میں ان مذہبی انتہا پسندوں کو اپنی محفوظ پناہ گائیں رکھنے کی اجازت دے گا؟ یقیناً آج کی دنیا عالمگیریت کے زیر اثر نئے عالمی نظام میں داخل ہوچکی ہے جس کی بنیاد اب تجارت اور مضبوط معاشی بنیاد پر ہے، جبکہ دوسری طرف پاکستان معاشی طور پر کنگالی اور دیوالیے کے قریب پہنچ چکا ہے۔ یقیناً سی پیک کے منصوبوں کے باعث اس ملک کی معاشی حالت بہتر کرنے کی کوشش تو کی جارہی ہے لیکن یقیناً اس سے بہتر نہیں ہوسکے گی، پاکستان کو اپنے مسائل کے حل کیلئے اپنے داغ دار ماضی سے نجات حاصل کرنا ہوگی۔ ماضی کی غلط پالیسیوں سے فوری طور پر چھٹکارا حاصل کرنا ہوگا۔ کیا وزیر خارجہ خواجہ آصف کی حالیہ پریس کانفرنس پاکستان کی خارجہ پالیسی کے درست یقین کی طرف ایک قدم ہے؟ یا پھر ماضی کی طرح نیم دلی سے اٹھایا گیا قدم ہے؟ ۵۵ بلین ڈالر سے زائد کی سرمایہ کاری کر کے چین کبھی بھی پاکستان کو اس بات کی اجازت نہیں دے گا کہ وہ مذہبی انتہا پسندی کے خلاف سنجیدگی سے کوئی قدم نہ اٹھائے۔

پاکستان کی حکمران اشرافیہ کیلئے فیصلے کا لمحہ پہنچ چکا ہے۔ ملک کی ۲۰ کروڑ عوام کیلئے اب عوام کی خاطر فیصلے کرنے ہونگے۔ تمام پڑوس سے جھگڑے مول لے کر پاکستان اپنے مسائل کا حل تلاش کرنے کے بجائے اپنی مشکلات میں اضافہ ہی کرتا چلا جائے گا، ملک میں خوشحالی انتہا پسندی، دہشت گردی کا خاتمہ کیے بغیر نہیں آسکتی، امن کی بحالی اور عوام دوست پالیسیوں پر عمل پیرا ہو کر پاکستان اپنے مسائل میں کمی لاسکتا ہے۔

سوشلسٹ انقلاب کے ادبیات پر اثرات

ڈاکٹر جمال نقوی

سوشلزم ایک سماجی سائنس، اقتصادی نظام اور فلسفہ حیات کا نام ہے جو یہ بتاتا ہے کہ چند لوگ امیر سے امیر تر اور اکثریت غریب سے غریب تر کیوں ہوتی چلی جاتی ہے ،اس اقتصادی سائنس کے ذریعہ ہم منصوبہ بندی اور منصفانہ نظام کے قیام سے سماج کی بنیادی ضروریات (روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم، ٹرانسپورٹ اور صحت کی سہولیات) پوری کر سکتے ہیں۔ اس کا عملی نمونہ اکتوبر انقلاب کے بعد سوویت یونین اور دوسرے سوشلسٹ ملکوں میں نظر آتا ہے۔

ادب چونکہ سماج کا آئینہ ہوتا ہے اس لیے سوشلسٹ انقلاب نے ادب برائے زندگی کا نعرہ بلند کیا اور بتایا کہ جس طرح سائنس اور ٹیکنالوجی انسان کے حالات بدلنے کی کوشش کرتے اسی طرح ترقی پسند ادب اور ادیب کو بھی سماج حالات بدلنے کی کوشش کرنی چاہیئے، ترقی پسند ادیب کو معلوم ہے کہ اس کی تحریر بہت با اثر ہوتی ہے اور پڑھنے والے پر کوئی نہ کوئی تاثر ضروری چھوڑتی ہے اس لیے اسے صرف حالات کا نوحہ اور مرثیہ نہیں لکھنا چاہیئے بلکہ سماج کے ایک ذمہ داری ہونے کے ناطے حالات کا تجزیہ کرنا چاہیئے اور اسے مثبت رخ دیتے ہوئے ان کا حل بھی ڈھونڈنا چاہیئے، یہی ادیب کا ادب زندگی اور سماج کے ساتھ کمٹ منٹ ہے، جس کے لیے سوشلسٹ انقلاب کا ترقی پسند ادیب سے صرف اتنا تقاضہ ہے کہ وہ سماج کے بہتر حالات کی سیاسی، سماجی اور فکری کاوشوں میں اپنی فنی اور تخلیقی صلاحیتوں کو بھی شامل کردے، وہ ان کے حوصلے بڑھائے جو سماجی ظلم کے خلاف اٹھنا چاہتے ہیں۔

سائنسی عمل اور سیاسی عمل کے درمیان ادیب کی سوچ کا فعال ہونا بہت ضروری ہے،جس کے بغیر سائنس ایٹم بم بناتی ہے اور سیاست فاشزم کی طرف لے جاتی ہے لہٰذا اگر جذبات واحساسات کو نظر انداز کردیا جائے تو صرف چنگیزی ہی رہ جاتی ہے، یہ ادب ہی ہے جو شعور کو آگے بڑھاتا ہے، آج اگر سیاست غلط راستے پر جاری ہے یا سائنس مہلک ہوتی جارہی ہے تو اس کا سبب شعور کی خامی ہے جس کی بڑی حد تک ذمہ داری ادیب پر آتی ہے۔

آج کی اس یونی پولر دنیا میں زندگی کو مختلف خطرات کا سامنا ہے جبکہ بقول نیاز فتح پوری انسان آگے بڑھ رہا ہے اور انسانیت پیچھے ہٹ رہی ہے، لہٰذا ادیب کو یہ طے کرنا ہوگا کہ وہ ادب کو ایک ذمہ داری سمجھ کر تخلیق کرے گا یا اسے صرف جمالیاتی خط تک محدود کر کے محض تفریح کا ذریعہ بنائے گا، اسے طے کرنا ہوگا کہ وہ ارباب دانش میں شمار ہونا چاہتا ہے یا ارباب نشاط میں، کوئی ادیب اس وقت تک روشن خیال اور ترقی پسند ادیب کہلانے کا حقدار نہیں ہے جب تک سماج کی فلاح کے ساتھ اس کا کمٹ منٹ نہ ہو، کیونکہ انسانیت کی فلاح سماجی ماحول کے حوالے سے کیوں معنویت رکھتی ہے۔

سو سالہ سوشلسٹ انقلاب کے اردو ادب پر اثرات کے ذیل میں سب سے پہلے تو روشن خیال اور انسان دوست اقبال پر نظر پڑتی ہے جن کی شاعری نے سوشلسٹ انقلاب کے زیر اثر شروع ہونے والی ترقی پسند تحریک کے آغاز سے پہلے ہی ترقی پسندی کیلئے راہ ہموار کردی تھی، انہوں نے تحریر کیا:

سلطانی جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقش کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

ترقی پسند تحریک کی دو اہم شخصیات علی سردار جعفری اور سبط حسن نے علامہ اقبال کی ترقی پسندی کی گواہی دیتے ہوئے تحریر کیا:

''ترقی پسندوں نے اقبال سے تصور انسان لیا اور انسانی خلاق ،انسان کی تخلیقی قوت اور انسانی ہاتھوں کی عظمت کا تصور کیا۔''
(علی سردار جعفری)

''ترقی پسند شاعری اپنی تمام توانائی، دلکشی، نمو پذیری اور حقیقت آفرینی کے باوجود ملوکیت، سرمایہ داری، سامراج اور محنت پر جو کچھ اقبال نے لکھ دیا ہے، اس کے پاسنگ برابر ایک نظم بھی اپنے ہاں سے پیش نہیں کر سکتی۔''
(سید سبط حسن)

وہ کال مارکس کو پیغمبر کے درجے پر فائز کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

آں کلیم بے تجلی، آں مسیح بے صلیب
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دارد کتاب

کسان (دہقان) کو انقلابی اس طرح بنانا چاہتے ہیں کہ اسے اپنی روزی کے حصول کے لئے شدت پسندی کی طرف راغب کرتے ہیں:

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

اور انقلابی ترانہ یوں گاتے ہیں:

خواجہ از خون رگ مزدور ساز لعل و ناب
از جفائے دہ خدایاں، کشت دہقان خراب
انقلاب اے انقلاب

شاعر انقلاب حضرت جوش ملیح آبادی نے سوشلسٹ انقلاب کے اثرات کو قبول کرتے ہوئے ایک نظم ''کشت زنداں کا خواب'' ۱۹۱۲ء میں تحریر کی جو اس دور کی بھرپور ترجمان ہے:

ہند کا زنداں کانپ رہا ہے گونج رہی ہیں تکبیریں
اکتائے ہیں شاید کچھ قیدی اور توڑ رہے ہیں زنجیریں
سنبھلو کہ وہ زنداں گونج اٹھا، جھپٹو کہ وہ قیدی چھوٹ گئے
اٹھو کہ وہ بیٹھیں دیواریں، دوڑو کہ وہ ٹوٹیں زنجیریں

۱۹۳۲ء میں شائع ہونے والے مجموعہ کلام ''شعلہ و شبنم'' میں جوش کی انقلابی شاعری اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہے جس میں مرد انقلاب کی آواز، لحہ آزادی متذکرہ بالا نظم ''شکست زنداں کا خواب'' اور ایسا ہی دیگر کلام شامل ہے۔

۱۹۳۹ء میں ان کی انقلابی نظم ''ایسٹ انڈیا کمپنی کے فرزندوں سے'' جس میں حریت پسندوں کے خیالات و جذبات کی ترجمانی تھی شائع ہوتے ہی پابندی کے مراحل سے گزری:

خیر اے سودا گرو اب ہے تو بس اس بات میں
وقت کے فرمان کے آگے جھکا دو گردنیں
اک کہانی وقت لکھے گا نئے مضمون کی
جس کی سرخی کو ضرورت ہے تمہارے خون کی
وقت کا فرمان اپنا رخ بدل سکتا نہیں
موت ٹل سکتی ہے اب فرمان ٹل سکتا نہیں

سوشلسٹ انقلاب کے زیر اثر ۱۹۲۶ء میں انجمن ترقی پسند مصنفین کے قیام کے بعد برصغیر میں ترقی پسند ادبی تحریک کے تحت برائے زندگی نے سماجی مسائل کے ادراک اور ان کے حل کی ذمہ داری قبول کی اور جاگیرداری، سرمایہ داری، معاشی اور اقتصادی استحصال، بھوک، افلاس اور مذہبی اجارہ داری کے خلاف اپنے قلم کا استعمال کیا، شاعری ہو یا فکشن ہر صنف ادب میں سماجی حقیقت نگاری کی گئی، فیض احمد فیض، سردار جعفری، معین احسن جذبی، اختر حسین رائپوری، مجنوں گورکھپوری اور دیگر شعراء اور ادیبوں نے عصری ادب میں ترقی پسندی کے نمونے پیش کئے، فیض نے تو اپنی شاعری کا رخ رومانویت سے ترقی پسندی کی طرف موڑتے ہوئے کہا تھا کہ ''مجھ سے پہلی سی محبت مرے محبوب نہ مانگ اور:

ہم پر روشن لوح قلم کرتے رہیں گے
جو دل پر گزرتی ہے رقم کرتے رہیں گے
بلا سے ہم نے نہ دیکھا تو اور دیکھیں گے
فروغ گلشن و صورِ ہزار کا موسم

اس کے بعد ادیبوں اور شاعروں میں ترقی پسند ادبی تحریک کے تحت سوشلسٹ انقلاب کے اثرات آج تک دیکھے جاسکتے ہیں، سرمایہ داری نظام کے تلخ تجربات کے بعد آج روشن خیال شاعر یہ کہنے پر مجبور ہے:

شعور وہ جو ترقی پسندی دیتی ہے
اسی شعور کو اب آزمانا چاہیئے ہے

(ڈاکٹر جمال نقوی)

محترمی جناب اختر حسین صاحب!

عوامی جمہوریت دوبارہ شائع ہونا شروع ہوگیا ہے۔ مسرت کا مقام ہے۔ پرچے کو فیصل آباد کے ساتھیوں میں تقسیم کردیا گیا تھا۔ تمام دوستوں کی مشترکہ رائے تھی کہ پرچے کا معیار، مواد کے لحاظ سے کافی بہتر ہے اسے مزید بہتر کیا جاسکتا ہے۔ اگر دیگر ممالک میں جاری سرگرمیوں اور نظریاتی بحثوں کو بھی ان میں شامل کرلیا جائے۔ اس شمارے میں آپ کا مضمون اور منٹو صاحب کا انٹر ویو بار بار پڑھنے کا تقاضا کرتے ہیں، اداریہ بھی خوب تھا۔

فیصل آباد پارٹی کی سرگرمیوں پر رپورٹ بھیج رہے ہیں۔ امید ہے آپ کے معیار پر پوری اترے گی۔ شکریہ

محمد سعید، فیصل آباد

عوامی ورکرز پارٹی پاکستان میں موجود سیاسی بحران پر پارٹی اعلامیہ

رپورٹ: فرمان علی

لاہور، 15 اکتوبر 2017ء

عوامی ورکرز پارٹی نے اپنی فیڈرل ایگزیکٹیو کمیٹی کے اجلاس کے اختتام پر ایک پریس کانفرنس میں پاکستان کے موجودہ سیاسی صورتحال پر مندرجہ ذیل پارٹی مؤقف جاری کیا۔

اسٹیبلشمنٹ کی طرف سے پارلیمانی نظام کے خلاف کسی بھی قسم کے اقدامات کی مزاحمت کریں گے۔ سویلین معاملات میں فوجی مداخلت قبول نہیں محنت کش عوام کے حق میں حقیقی تبدیلی صرف بائیں بازو کی قوتیں لاسکتی ہیں۔ عوام کو گمراہ کرنے والے خود نظام کے رکھوالے ہیں۔

منتخب حکومت کی تمام تر کمزوریوں کے باوجود 5 سال مکمل ہونے چاہیئے۔ ہم اسٹیبلشمنٹ کی طرف سے پارلیمانی نظام پر حاوی ہونے کی کسی بھی قسم کی کوشش کی مزاحمت کریں گے۔ پارٹی کو سویلین معاملات بمع اقتصادی، خارجہ یا فاٹا کے حوالے سے پالیسی میں اسٹیبلشمنٹ کی مداخلت قبول نہیں ہے۔ پارٹی سمجھتی ہے کہ پاکستان میں انقلابی تبدیلی صرف اور صرف بائیں بازو کی قوتیں لاسکتی ہیں۔ نظام کے رکھوالے اپنے آپ کو تبدیلی کے علمبردار ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ منتخب حکومت کا احتساب کرنے کا حق صرف عوام کے پاس ہے۔

بائیں بازو اور ترقی پسند حلقے پاکستان کے بننے کے بعد سے سماج میں طبقاتی استحصال، قومی اور پدرشاہانہ جبر اور سامراجی شکنجے کے خلاف جدوجہد کرتی رہی ہیں مگر اسٹیبلشمنٹ اور دائیں بازو کی جماعتوں نے ہمیشہ ہمارے اوپر وار کی اور ملک اور عوام کو اندھیر نگری کی طرف دھکیلتے گئے، مذہبی انتہا پسند تنظیموں کو پروان چڑھایا اور بحیثیت مجموعی لوٹ مار کا بازار گرم کیئے رکھا۔ آج پاکستان کی خطہ میں تمام ممالک کے ساتھ دشمنی ہے، بم دھماکے اور ٹارگٹ کلنگ عام ہیں اور خود اسٹیبلشمنٹ کے ایماء پر چلنے والی سیاسی جماعتیں متصادم ہو رہی ہیں، لیکن نہ (ن) لیگ اور نہ ہی پی ٹی آئی جیسی جماعتیں پاکستان کے اندر بڑھتے ہوئے تضادات کا عوام کے حق میں حل کرسکتی ہیں بلکہ ان کا مقصد صرف اقتدار میں حصہ داری ہے۔

ہم بہر حال پارلیمانی جمہوری تسلسل کی حمایت کرتے ہیں اور اسٹیبلشمنٹ کو سویلین معاملات میں مداخلت کی بھرپور مخالفت کرتے رہیں گے۔ در اصل اب اسٹیبلشمنٹ کے لیے مارشل لاء لگانا ضروری ہی نہیں ہے کیونکہ اس نے معیشت، سماج اور حکمرانی کے نظام میں ویسے ہی اپنے مفادات اتنے زیادہ پھیلا دیئے ہیں کہ ان کے لیے زیادہ سازگار ہے کہ سیاسی جماعتیں منظر عام پر رہیں اور تنقید کا نشانہ بنیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ المیہ سیاسی پارٹیوں کا ہے کہ انہوں نے فوجی عدالتوں، نیشنل ایکشن پلان اور دیگر کئی سارے اقدامات خود کیئے ہیں جن سے اسٹیبلشمنٹ مضبوط ہوئی ہے، جبکہ محنت کش عوام اور مظلوم ترین علاقوں کے عوام کے مسائل تو ان پارٹیوں نے بالکل نظر انداز کئے ہیں جیسا کہ اوکاڑہ کے کسانوں کا مسئلہ، سندھ اور بلوچستان میں ریاستی جبر بمعہ جبری گمشدگیاں اور ملک بھر میں ''ترقیاتی'' منصوبوں کے نام پر روزگار اور رہائش سے بے دخل ہونے والوں کے علاوہ دیگر بہت سے روزمرہ کے مسائل ہیں جن پر عوامی ورکرز پارٹی کے علاوہ کوئی اور بات نہیں کرتا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اس فرسودہ نظام کے خلاف محض نعرے لگانے والے کبھی بھی ایسے اقدامات کے حق میں نہیں ہوں گے جو کہ حقیقی تبدیلی کے لیے ناگزیر ہیں۔ عوامی ورکرز پارٹی اعلانیہ کہتی ہے کہ پاکستان میں زرعی اصلاحات کے بغیر عوام کے وسیع تر حلقے کو بنیادی آزادی نہیں مل سکتی ، اور اس سلسلے میں ہم 1972ء اور 1977ء کے زرعی اصلاحات کے قوانین کو بحال کرنے کی جدوجہد بھی کر رہی ہے۔ ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ پاکستان میں ایک نیا جاگیردار طبقہ بنتا جا رہا ہے جو کہ سول اور خاص طور پر ملٹری افسر شاہی پر مشتمل ہے لہٰذا افسروں کو زمینیں الاٹ کرنے کا سلسلہ فی الفور بند ہونا چاہیئے۔ حال ہی میں جامشورو ضلع سندھ میں 8,500 ایکڑ زمین فوجیوں کو الاٹ کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ عوامی ورکرز پارٹی سمجھتی ہے کہ ملٹی نیشنل کمپنیوں کی منافع خوری کو لگام دیے بغیر محنت کش عوام کے حقوق کا تحفظ ممکن نہیں ہے جبکہ مجموعی طور پر ہم بنیادی شعبوں بالخصوص خدمات کے شعبوں کی نجکاری کے عمل کو مکمل طور پر واپس کر کے تعلیم، صحت، رہائش اور دیگر بنیادی ضروریاتِ زندگی کے شعبوں کو ریاستی تحویل میں رکھنے پر یقین رکھتی ہے ۔ یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ حکمران طبقہ بمعہ جرنیل ، جج اور سیاست دان کے مراعات بڑھتے چلے جا رہے ہیں جبکہ کم از کم اجرت کے قانون پر عمل درآمد تک نہیں ہو رہا ہے ۔ اس سلسلے میں ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ ملک میں کم از کم اجرت 25,000 روپے قرار دی جائے اور ہر شعبہ کے مزدور کو بلا تفریق ادا کی جائے۔

گو کہ منتخب حکومت محنت کش عوام کے حق میں کوئی ایسی بنیادی تبدیلی متعارف کرنے کے لیے تیار نہیں ہے مگر ہماری پارٹی سمجھتی ہے کہ اسٹیبلشمنٹ کا کوئی حق نہیں ہے کہ سولین معاملات میں دخل اندازی کرے ۔ بلکہ تمام ترقی پسند قوتوں کو منظم ہو کر مین سٹریم جماعتوں کا متبادل تعمیر کرنا ہوگا۔ ساری دنیا میں رجعتی قوتیں برسراقتدار آ رہی ہیں۔ عالمی سرمایہ داری نظام کے نہ ختم ہونے والے تضادات کا چونکہ حقیقی متبادل سامنے نہیں آ رہا اسی لیے چنانچہ دائیں بازو ہر طرف مضبوط ہو رہا ہے بالکل اسی طرح جیسا کہ پاکستان میں ہو رہا ہے۔ دنیا بھر میں بائیں بازو اور ترقی پسند قوتوں کو ریاستی جبر کا نشانہ بنایا جا رہا ہے لیکن ان ہتھکنڈوں کے باوجود اسٹیبلشمنٹ اور بالا دست طبقات کسی بھی صورت میں بڑھتے ہوئے تضادات کو قابو نہیں پا سکیں گے۔

پارٹی قیادت نے اسرار کیا کہ سیاسی تضادات کا کبھی فوجی حل نہیں ہوتا۔ پاکستان میں مسلسل بلوچستان اور فاٹا میں بالخصوص ڈنڈے کے زور پر اسٹیبلشمنٹ نے حکمرانی کا نظام چلایا ہے اور آج فاٹا میں عوام کے پرزور مطالبہ کو بھی مانا نہیں جا رہا ہے کہ ان کو خیبر پختونخوا کے ساتھ ضم کیا جائے۔ ہماری پارٹی مطالبہ کرتی ہے کہ فاٹا کو خیبر پختونخوا کے ساتھ ضم کرنے کے لیے پارلیمان فوری طور پر آئینی ترمیم کرے۔ بلوچستان میں عوام کا بڑا حلقہ نظام کے بحیثیت مجموعی متنفر ہو چکا ہے۔ گلگت بلتستان کے وسائل تو حکمران چاہتے ہیں مگر وہاں کے عوام کو بنیادی سیاسی حقوق سے محروم رکھنا چاہتے ہیں۔ کوئی نصاب میں انتہا پسندی ختم کرنے کا نام نہیں لیتا۔ میڈیا پر نفرت انگیز بیانیہ کو قابو پانے کی بات نہیں کرتا اور افغانستان میں ابھی بھی Strategic Depth کی کوششیں جاری و ساری ہیں۔ اس طرح مسائل مزید گھمبیر ہوتے جا رہے ہیں اور اس وقت تک ہوتے رہیں گے جب تک کہ ترقی پسند متبادل اپنایا نہیں جاتا۔

اس سلسلے میں پارٹی اس بات پر بھی اسرار کرتی ہے کہ پاکستان کے مسائل کا کوئی فوری حل نہیں ہے۔ اور نہ ہی یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ بیرونی طاقتوں کے آسرے پر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ اگرچہ پاکستان 70 سال سے امریکی سامراج کے چنگل سے نہیں نکل سکا، یہ نعرے بھی گمراہ کن ہیں کہ سیپک جادو کی چھڑی کی طرح پاکستان کے تمام مسائل کا حل ہے۔ ایک غیر جانبدار خارجہ پالیسی وقت کی ضرورت ہے جو کہ اسٹیبلشمنٹ کے مفادات کو نہیں بلکہ عوام کے مفادات کو سامنے رکھتے ہوئے ترتیب دی جائے اور اس سلسلے میں پڑوسی ممالک خاص کر ہندوستان اور افغانستان کے ساتھ دوستانہ تعلقات بنانا پہلا اور سب سے ضروری قدم ہے تا کہ خطہ کے عوام کو امن اور خوشحالی کے رستے پر گامزن کیا جا سکے۔

اختر حسین

جنرل سیکریٹری

استقبالیہ

عوامی ورکرز پارٹی راولپنڈی/اسلام آباد نے پارٹی کے حالیہ دنوں طویل گرفتاری سے رہا ہونے والے پارٹی کے سینئر رہنما کامریڈ غلام دستگیر محبوب کے اسلام آباد آمد کے موقع پر ان کے اعزاز میں استقبالیہ کے اہتمام کیا، اس موقع پر کامریڈ کے ہاتھوں اس جڑواں شہر میں پارٹی کے نئے دفتر کا افتتاح بھی کیا گیا۔

سیاسی و سماجی سرگرمیاں

کراچی انڈیجینس رائیٹس کی جانب سے ڈی ایچ اے سٹی ، بحریہ ٹاؤن کراچی، اور دوسرے میگا پروجیکٹس کے خلاف مورخہ 16 ستمبر کو عبدالرحمان چھوٹو گوٹھ کاٹھوڑ میں ایک احتجاجی جلسے کا انعقاد کیا گیا، جس میں KIRA کے صدر اور عوامی ورکرز پارٹی کے مرکزی سینئر نائب صدر کامریڈ یوسف مستی خان اور KIRA کے دیگر ساتھیوں نے خطاب کیا۔

عوامی ورکرز پارٹی کے جنرل سیکریٹری اور سیکریٹری اطلاعات کا گلگت اور ہنزہ کا دورہ

رپورٹ: فرمان علی

عوامی ورکرز پارٹی کے مرکزی جنرل سیکریٹری اختر حسین ایڈوکیٹ اور مرکزی سیکریٹری اطلاعات فرمان علی نے ستمبر کے آخری ہفتے میں گلگت بلتستان کا دورہ کیا اور مقامی پارٹی کے ساتھیوں کے ساتھ میٹنگ کیں۔ دو رکنی وفد ستمبر کی 24 تاریخ کو گلگت پہنچے اور شام کو کامریڈ بابا جان کے وکلاء سے مشورہ کرنے کے لئے ایڈوکیٹ امجد حسین کے دفتر پہنچے اور کامریڈ ناصر، کامریڈ واجد، کامریڈ عنایت ابدالی، کامریڈ اخون بائے، کامریڈ آصف سخی اور کامریڈ علی حسن اور ایڈوکیٹ نذیر کے ساتھ مختلف قانونی معاملات اور نکات پر صلاح مشورہ کیئے۔ 25 ستمبر کو تمام ساتھی گلگت بلتستان سپریم اپلیٹ کورٹ صبح 9 بجے پہنچے۔ کامریڈ بابا جان اور دیگر اسیر ساتھیوں کے وکیل احسان علی نے دلائل دیئے اور استغاثہ کے دلائل اور گواہوں کے بیانات میں تضادات کی نشاندہی کی۔ اس پر چیف جج رانا شمیم نے اگلے روز تک کاروائی ملتوی کی۔ پشاور سے کامریڈ کفایت اللہ اور کامریڈ فضل مولا بھی گلگت آئے اور کورٹ میں موجود رہے۔ تمام وکلاء اختر صاحب کے ساتھ کورٹ کی لائبریری میں بیٹھ کر اگلے دن کے دلائل کے لئے تیاری اور صلاح مشورہ کرنے لگے اور رات دیر تک کیس کی بھرپور تیاری کی۔ رات کو گیسٹ ہاؤس میں ساتھیوں کے ساتھ مختلف سیاسی و تنظیمی امور پر گفتگو کرتے رہے۔ میٹنگ میں کامریڈ سلطان مدد بھی موجود تھے جن کے ساتھ پارٹی کو گلگت بلتستان میں منظّم کرنے اور ان کے چند سوالات وتحفظات پر گفتگو ہوئی اور ان کے تحفظات کو دور کیا۔ انہوں نے پارٹی میں سرگرم طریقے سے کام کرنے اور پارٹی کو منظّم کرنے پر دلچسپی کا اظہار کیا۔ کامریڈ صفی اللہ بھی گفتگو میں شریک ہوئے۔

اگلے دن 26 ستمبر کو عدالت کے اندر ایک تناؤ کا ماحول محسوس کیا گیا اور سیکیورٹی کو بھی معمول سے زیادہ سخت کیا گیا تھا۔ آدھا گھنٹہ کے بعد اعلان کیا گیا کہ چیف جج کی طبیعت ناساز ہونے کی وجہ سے عدالتی کاروائی منسوخ ہوگئی ہے اور کسی کیس کی شنوائی نہیں ہوگی۔ یہ ایک غیر متوقع اور تشویش ناک صورتحال تھی جس کی وجہ سے ساتھیوں میں پریشانی کا پھیلنا قدرتی بات تھی۔ اس صورتحال پر غور کرنے کیلئے ساتھی گیسٹ ہاؤس میں دوبارہ جمع ہونے لگے اور اس نئی صورتحال پر غور کرنے کے لئے صلاح مشورے کیئے۔ سب ساتھیوں نے اس بات پر زور دیا کہ کیس سے متعلق سوشل میڈیا پر کوئی غیر ذمہ دارانہ تبصرہ اور بیان نہیں دیں گے کیونکہ نظر ثانی وپٹیشن ایک نازک مرحلے پر پہنچ چکا ہے۔ ساتھیوں نے اس بات پر بھی اتفاق کیا کہ پارٹی کی تنظیم سازی کو تیز کرنا چاہیئے اور لوگوں کو زیادہ سے زیادہ منظّم کر کے مختلف مسائل پر آواز اٹھانا چاہیئے۔

ساتھیوں نے کامریڈ احسان علی کے ساتھ گلگت بلتستان میں ایک مارکسی پارٹی کے تعمیر اور نظریاتی سوالات اور موجودہ دور میں مارکسزم کے اطلاق اور انقلاب کے مختلف شکلوں اور احکامات پر بھی سیر حاصل بحث اور مشترکہ جدوجہد کی اہمیت پر زور دیا۔ اس بات پر اصولی طور پر اتفاق کیا گیا کہ کم سے کم نکات پر مل کر عوامی مزاحمت اور جدوجہد کی جاسکتی ہے۔ اور اس بات پر بھی اتفاق کیا گیا کہ نظریاتی بحث کو جاری رکھنا چاہیئے۔

شام کے وقت تمام ساتھی ہنزہ کے لئے روانہ ہوئے اور وہاں دو گھنٹے کے سفر کے بعد پہنچ گئے۔ علی آباد کے آفس میں ساتھیوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی، تمام ساتھیوں نے مرکزی جنرل سیکریٹری اور سیکریٹری اطلاعات کو خوش آمدید کہا۔ ہمارے وفد میں گلگت سے کامریڈ عنایت بیگ، کامریڈ ساجدہ جن کی حال ہی میں شادی ہوئی ہے شامل تھے۔ ہنزہ کے ساتھیوں نے دونوں کو بندھن میں بندھ جانے پر مبارکبادیں اور ہنزہ آنے پر خوش آمدید کہا۔

تمام ساتھیوں نے تنظیم سازی میں مشکلات اور مجموعی طور پر سیاسی حالات اور رکاوٹوں اور کوتاہیوں پر بھرپور طریقے سے بحث کیں اور اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ نئے جوش وجذبے کے ساتھ پارٹی کو منظّم کرنے کی کوشش کریں گے۔ یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ اگلے ایک دو مہینوں میں ہنزہ کی ضلعی تنظیم کو دوبارہ فعال بنانے کی کوشش کریں گے اور ایک میٹنگ اکتوبر کی 8 تاریخ کو پارٹی آفس علی آباد میں ہوگی۔ کامریڈ اختر حسین نے بڑی تفصیل کے ساتھ پارٹی پروگرام، تنظیم کی اہمیت اور مجموعی طور پر ملکی و بین الاقوامی صورتحال اور عالمی تناظر میں مارکسی تحریکوں اور پاکستان میں حکمراں طبقوں کے مختلف گروہوں اور پارٹیوں کے درمیان کشمکش اور اسٹیبلشمنٹ کے درمیان تضادات اور جھگڑوں پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی اور اس صورتحال میں عوامی ورکرز پارٹی کو ایک متبادل کے طور پر منظّم کرنے کی اہمیت پر زور دیا۔

انہوں نے تمام ساتھیوں پر زور دیا کہ موجودہ مشکل دور میں مہم جوئی کئے بغیر عوامی مسائل پر کیسے آواز اٹھائی جائے۔ میٹنگ میں کامریڈ نازنین اور دیگر خواتین نے ہنزہ کے اندر خواتین کو منظّم کرنے اور انہیں پارٹی کے اندر لینے کے سلسلے میں سماجی رکاوٹوں اور مشکلات کا ذکر کیا۔ میٹنگ میں سینئر ساتھیوں اکرام جمال، اختر امین، واجد، ناصر، آصف سخی، عنایت بیگ اور انجینئر امان اللہ نے بھرپور طریقے سے گلگت بلتستان میں اور بالخصوص ہنزہ میں تنظیمی مسائل اور سیاسی صورتحال پر بحث کیں۔

کامریڈ اختر حسین اور فرمان علی نے تفصیل کے ساتھ ملک میں تیزی سے تبدیل ہونے والی صورتحال جنوبی ایشیا اور بالخصوص پاک چین اقتصادی راہداری اور گلگت بلتستان کے اوپر پڑنے والے اثرات پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے ساتھیوں پر زور دیا کہ وہ اپنے آپ کو نظریاتی طور پر مارکسی علم اور پارٹی پروگرام سے باخبر رکھیں اور اپنے حالات کے مطابق اس کا اطلاق کریں اور پارٹی کی تنظیم سازی پر بھی زور دیا۔

عوامی ورکرز پارٹی: سیاسی سرگرمیوں کی رپورٹ

تعلیم وتربیت: رپورٹ: عابد شکیل

ناری جمہوری محاذ(WDF) کے پلیٹ فارم سے مورخہ 22 ستمبر جامشورو میں ایک سٹڈی سرکل کا انعقا کیا گیا، جس میں ''میں حقوق نسواں کا حامی ہوں'' کے موضوع پر سائمن کے ایک انٹرویو پر گفتگو کی گئی۔

17 ستمبر پروگریسو فکر فورم کے زیر اہتمام حیدر آباد میں، ''جمہوریت کیا ہے'' اور'' سیکولرازم اور عقلیت پسندی'' کے موضوع پر ہفتہ وار تعلیمی سیشن منعقد ہوا، جس میں کامریڈ سرفراز احمد، اور کامریڈ خلیق احمد نے موضوعات پر گفتگو کی۔

عوامی ورکرز پارٹی راولپنڈی، اسلام آباد کے زیر اہتمام، ریگولر Feminist Study Circle منعقد ہوا جس میں ماریہ میمز نے Social Origins of sexual Division of Labour" پر گفتگو کی۔

عوامی ورکرز پارٹی لالورائینک کے زیر اہتمام 15 ستمبر کو ''سچ سیاست اور عوام'' کے موضوع پر ایک لیکچر منعقد ہوا جس میں پارٹی کے صوبائی صدر کامریڈ بخشل تھلو، نے موضوع پر گفتگو کی، لیکچر میں لالورائینک اور اطراف کے درجنوں سیاسی، سماجی کارکنوں نے شرکت کی۔

عوامی ورکرز پارٹی لاڑکانہ نے ''سندھ کو کونسی سیاست کی ضرورت ہے'' کے موضوع پارٹی کے صوبائی صدر کامریڈ بخش تھلو کے ایک لیچر کا اہتمام کیا جس میں پارٹی کے صوبائی سیکریٹری تعلیم کامریڈ جاوید اچڑ نے بھی خطاب کیا۔ عوامی ورکرز پارٹی بدھا یونٹ نے، ڈوکری میں پندرہ روزہ تعلیمی سیشن کا انعقاد کیا جس میں کامریڈ منور نے پارٹی کے منشور کی روشنی میں صوبائی پروگرام پر ایک لیچر دیا بعد ازاں جس پر تفصیلی گفتگو کی گئی علاوہ ازیں، کامریڈ مجیب پیرزادہ نے عوامی جمہوری انقلاب اور موجودہ سیاسی منظرنامہ کے موضوع پر گفتگو کی۔

نصیر آباد میں ناری جمہوری محاذ کی ہفتہ وار بیٹھک منعقد ہوئی جس میں خواتین اور سماجی موضوعات پر گفتگو کی گئی، کامریڈ سینگار نوناری نے بیٹھک میں خصوصی طور پر شرکت کی۔ اگلی بیٹھک کے لئے محترم ابراہیم جویو کی کتاب ''علم تدریس مظلومن لاء'' کا انتخاب کیا گیا۔

عوامی ورکرز پارٹی حیدر آباد کے مرکزی دفتر میں کامریڈ عاصم آخوندی سٹڈی سرکل کے پلیٹ فارم سے ''سامراجیت کیا ہے'' کے موضوع پر ایک لیکچر کا اہتمام کیا گیا جس سے صوبائی صدر کامریڈ بخش تھلو نے خطاب کیا اور موضوع کی مناسبت سے گفتگو کی اور سامراجیت کی مختلف شکلیں اور ان کے مزاحمت کی مختلف صورتوں پر روشنی ڈالی، لیکچر میں خواتین اور مختلف سیاسی اور سماجی تنظیموں سے وابستہ دوستوں نے شرکت کی۔

غزل

عابد شکیل فاروقی

رفیق صبح، اجالا شناس ہیں ہم لوگ
حیات نو کے نئے آفتاب ہیں ہم لوگ

سفیر وہ شب ظلمت کے، روشنی کے عدو
چراغ صبح کی روشن مثال ہیں ہم لوگ

وہ کارواں ہے جو منزل پہ جا کے دم لیگا
کہ حوصلوں کی، عزم کی چٹان ہیں ہم لوگ

ہمارا عزم ہے کامل، یہی رہبر یہی منزل
یہ ہمتوں کے امیں اسکے پیروکار ہیں ہم لوگ

زباں ہماری ہے پھولوں کی لہجہ خوشبو کا
کہ میر و غالب و سچل لطیف ہیں ہم لوگ

میں کس طرح رہوں دھرتی سے لاتعلق سا
یہ ماں کا روپ ہے دھرتی کے لعل ہیں ہم لوگ

زمیں سے کٹ کے کوئی گھونسلہ نہیں بنتا
بلندیوں کے اگرچہ ہیں نگہباں ہم لوگ

صدائیں دوگے ہمیں، مڑ کے پھر نہ دیکھیں گے
نکل گیا تیرے ہاتھوں وہ وقت ہیں ہم لوگ

☆☆☆☆

بھگت سنگھ کی سالگرہ کی تقریب کا انعقاد

رپورٹ: ناصر سلیم
جنرل سیکریٹری: AWP، فیصل آباد

بھگت سنگھ ایک شہاب ثاقب کی مانند مختصر سے عرصے کے لئے سیاست کے آسمان پر نمودار ہوا اس سے پہلے کہ وہ گزر جاتا لاکھوں لوگوں کی آنکھوں کا تارہ بن چکا تھا ہندوستان کی سیاست پر اس نے انمٹ نقوش چھوڑے 27 ستمبر بھگت سنگھ کا جنم دن ہے اس کی ایک سو دسویں سالگرہ کے موقع پر عوامی ورکرز پارٹی فیصل آباد نے ایک تقریب کا اہتمام کیا۔ تقریب سے شاہد مرشد، یاسین انقلابی کامریڈ محمد سعید، عارف ایاز اور توحید احمد چٹھہ نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

شاہد مرشد نے اپنے ابتدائی کلمات میں بھگت سنگھ کی جدوجہد کو سرخ سلام پیش کرتے ہوئے کہا کہ بھگت سنگھ ہندوستان کے جذبوں اور امیدوں کا نشان تھا اس نے بے خوفی سے موت کا سامنا کیا وہ چاہتا تھا کہ سامراجی تسلط کا خاتمہ ہو اور یہ بھی چاہتا تھا کہ اس سرزمین پر عوامی ریاست قائم ہو۔

عارف ایاز نے گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ بھگت سنگھ اور ان کے ساتھیوں کا خیال تھا کہ جب تک کسان مزدور اور محنت کش طبقات حکومت پر قبضہ نہیں کریں گے تب تک موجودہ استحصالی نظام ختم نہیں ہوگا ان کا آئیڈیل ایک عوامی انقلاب تھا۔

توحید احمد چٹھہ نے بھگت سنگھ کی پارٹی بھارت سبھا کا تاریخ پس منظر بیان کیا۔ پنجاب میں کیرتی کسان پارٹی بنی اس کا منشور عوامی امنگوں کا ترجمان تھا یہ پارٹی وطن کی آزادی کے ساتھ ساتھ سرمایہ داری اور جاگیرداری نظام ختم کرنا چاہتی تھی۔ کیرتی کسان پارٹی نے اس وقت کے نوجوانوں کو متاثر کیا جس میں بھگت سنگھ جیسا نوجوان بھی شامل تھا جلیانوالہ باغ کے واقعے نے ہر طرف غم و غصے کی فضا کو بڑھا دیا اور لالہ لاجپت رائے کی تشدد سے موت نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

چٹھہ نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا بھگت سنگھ اور ان کے ساتھیوں نے دہلی مرکزی اسمبلی میں بم پھینکنے کا فیصلہ کیا تو اس حملے کا مقصد کسی کو مارنا ہرگز نہیں تھا بلکہ اہلِ وطن کو خواب غفلت سے بیدار کرنا تھا، تاکہ سامراجی قبضہ سے چھٹکارا ملے اور عدل و انصاف پر مبنی معاشرہ قائم ہو۔

بھگت سنگھ نے جو خواب دیکھے ان کے لئے جدوجہد کی، یہی جدوجہد آج عوامی ورکرز پارٹی کر رہی ہے اور بھگت سنگھ کے کام کو آگے بڑھا رہی ہے۔ عوامی بیداری، انصاف پر قائم معاشرہ عوامی ورکرز پارٹی کا منشور ہے چٹھہ نے کہا: آؤ پارٹی کو منظم کریں اور اسے فعال بنائیں تاکہ یہ پارٹی عوام کی نچلی پرتوں سے نمائندہ پارٹی بن سکے چٹھہ صاحب نے مزید کہا کہ ہمارے باپ دادا نے کیرتی کسان پارٹی میں کام کیا اور بھگت سنگھ بھارت سبھا اور کیرتی کسان پارٹی کی وارث عوامی ورکرز پارٹی میں آج ہم کام کر رہے ہیں، اور ہم کو اس بات پر فخر حاصل ہے۔

کامریڈ محمد سعید نے 1931ء میں پنجاب کھیری میں بھگت سنگھ کے شائع شدہ خط کا حوالہ دیا جس میں لکھا تھا: ''میں اپنی پارٹی کے مقاصد اور ذرائع کے سلسلہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں، کانگریس اور ہماری پارٹی میں اتنا فرق ہے کہ وہ انگریزوں سے اقتدار حاصل کرنے کے بعد مطمئن ہو جائے گی جبکہ ہمارا مقصد سماج واد کا قیام میں لانا ہے پارٹی کو ان مقاصد کے حاصل کرنے کی خفیہ طور پر کام کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم اپنے پروپیگنڈا، اشتہاروں، پرچوں، کتابوں، چھوٹی لائبریریوں، تقاریر، ذاتی گفتگو کے ذریعے ہر جگہ کر سکتے ہیں۔ بم پھینکنا نہ صرف بے کار ہے بلکہ نقصان دہ ہے۔

جبکہ ہمارا مقصد محنت کشوں کو بیدار کرنا ہے انقلاب سے ہمارا مقصد نظام اور ڈھانچے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ہے اس کام کے لئے ہمیں اقتدار حاصل کرنا ہے جو اس وقت سرمایہ داری کے ہاتھوں میں ہے۔ عام لوگوں کی بھلائی اور اپنے آدرش کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہمیں اقتدار کی مشین مارکس کے اصولوں پر پرکھنا ہی ہماری جدوجہد کا مقصد ہے۔

کامریڈ نے کہا کہ بھگت سنگھ کے آدرش ہمارا اثاثہ ہیں۔ ماضی کی تمام انقلابی جدوجہد ہمارے راہ کے اسباق ہیں ہم انہی تجربات کی روشنی میں اپنی جدوجہد کو، طریقہ کار کو متعین کریں گے، تاکہ پارٹی منظم ہو اور پارٹی محنت کشوں کی پارٹی بن سکے۔

یٰسین انقلابی نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان کی آزادی نئے رنگ میں آئی ظلمت کے اندھیرے اس آزادی سے دور نہیں ہوئے۔ بھگت سنگھ اس ادھوری آزادی میں بھی ہمارا ہیرو ہے۔ اسی کا رستہ ہی ہمارے لئے نشان راہ ہوا جس کی وجہ سے محنت کشوں کا رول ہندوستانی سیاست میں بڑھتا چلا گیا۔ آج حکمران کوشش کر رہے ہیں کہ اس بڑھتے ہوئے رول کو کم کریں انہیں نان ایشو میں الجھائے رکھیں۔ فرقہ واریت، نسلیت، لسانیت، اور علاقائیت کی بنیاد پر محنت کشوں کو تقسیم در تقسیم کرتے چلے جائیں۔ آج وہ اس مقصد میں کامیاب ہیں لیکن محنت کشوں کے مسائل اور ان کے حل کی جدوجہد ان کی شعور میں نکھار پیدا کرے گی جو راہ بھگت سنگھ اور ان کے ساتھیوں نے اختیار کی کھوٹی نہیں ہو گی وہی راہ سماج کو بدل کر رکھ دے گی یقیناً اس بدلے ہوئے سماج میں نہ تو بے روزگاری ہو گی نہ ہی بھوک، یقیناً جہالت کے اندھیرے علم کی روشنی سے منور ہوں گے اور دنیا امن کا گہوارہ ہو گی شاہد مرشد نے بڑے جذباتی انداز میں نعرہ بازی کروائی۔ انقلاب زندہ باد اور عوام ورکرز پارٹی زندہ باد کی گونج میں بھگت سنگھ کی سالگرہ کا کیک کاٹا گیا۔

MONTHLY
AWAMI JAMHURIAT
ماہنامہ
عوامی جمہوریت

ستمبر 2017 | CPL NO. 279 | شمارہ نمبر-07

اشاعت کا
49 واں سال

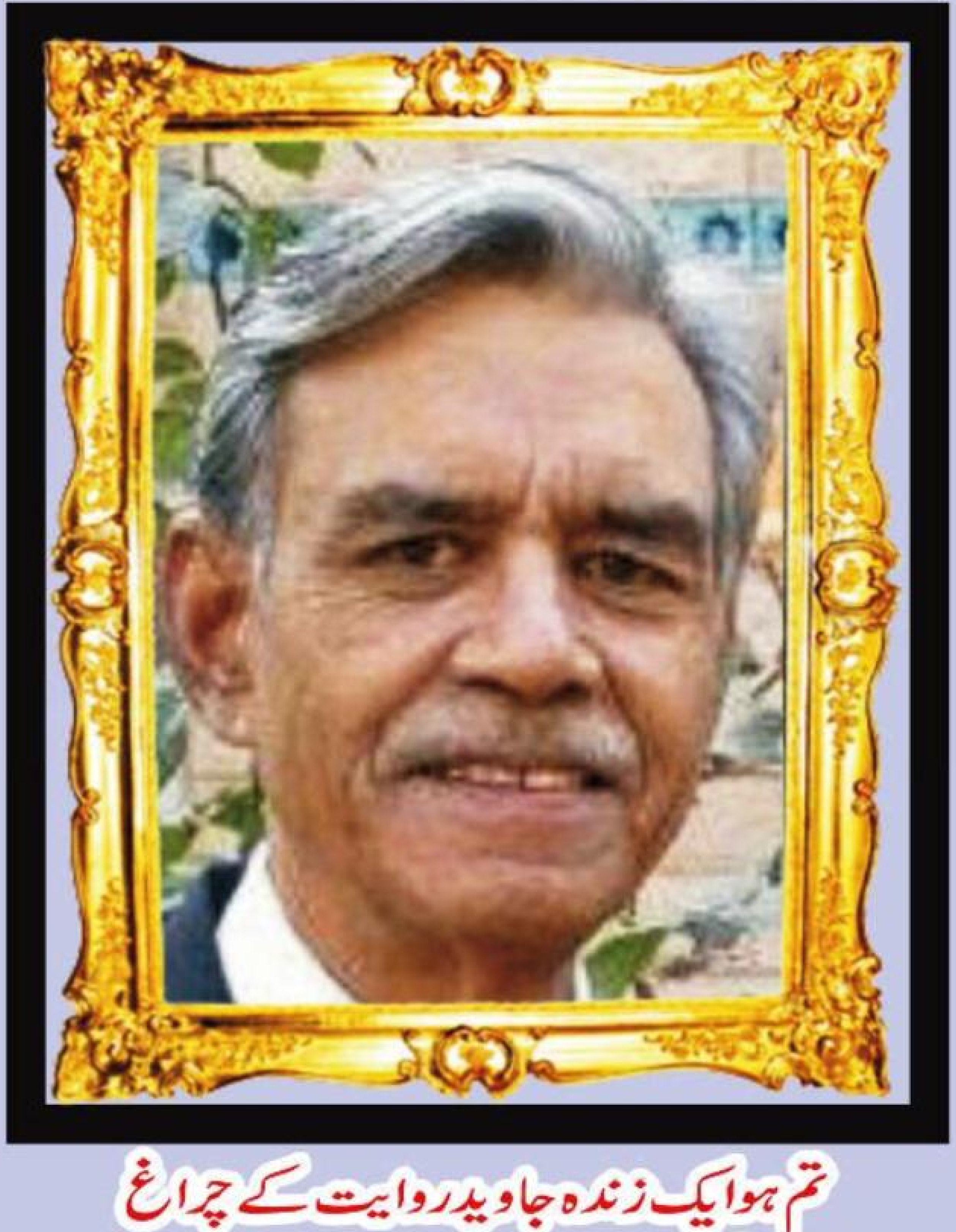

تم ہو ایک زندہ جاوید روایت کے چراغ
تم کوئی شام کا سورج ہو کہ ڈھل جاؤ گے

اختر حسین، لاہور پارٹی آفس میں پارٹی عہدیداران کے ہمراہ۔

ضلع سانگھڑ میں ضلعی پورہیت کمیٹی کے قیام کے موقع پر،
سندھ پارٹی کے کسان سیکریٹری، کمیٹی کے اراکین کے ہمراہ۔

سندھ نیشنل کمیٹی کا اجلاس منعقدہ 7 اور 18 اکتوبر۔

شیخوپورہ، پارٹی کے سینئر لیڈر غلام دستگیر محبوب کے اعزاز میں استقبالیہ کے شرکاء۔

پنجاب پارٹی کے صدر جناب عاصم سجاد اسلام آباد میں
PIMS کے مظاہرین سے خطاب کرتے ہوئے۔

جناب غلام دستگیر محبوب، اپنے اعزاز میں منعقدہ استقبالئے میں خطاب کرتے ہوئے۔

عوامی ورکرز پارٹی سندھ کے صدر کامریڈ بخش تھلو
حیدرآباد میں پارٹی اسٹڈی سرکل سے خطاب کرتے ہوئے۔

عوامی ورکرز پارٹی کے سینئر نائب صدر یوسف مستی خان کراچی کے مضافات میں
KIRA کے زیر اہتمام ایک احتجاجی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے۔

جنرل سیکریٹری اور مرکزی سیکریٹری اطلاعات جناب اختر حسین
اور فرمان علی دورہ گلگت کے دوران پارٹی کارکنان کے ہمراہ۔

کارکنان حیدرآباد میں منعقدہ اسٹڈی سرکل میں لیکچر سنتے ہوئے۔

جموں کشمیر عوامی ورکرز پارٹی کے زیر اہتمام بابا جان اور دیگر
ساتھیوں کی رہائی کے لئے راولپنڈی میں مظاہرے کا انعقاد کیا گیا۔

اوکاڑہ میں کسانوں اور کاشتکاروں کا احتجاجی مظاہرہ۔

نقش پا بغاوت کے

علی سردار جعفری

جتنا ظلم سہتے ہیں
اور مسکراتے ہیں
جتنا دکھ اٹھاتے ہیں
اور گیت گاتے ہیں
جبر اور بڑھتا ہے
زہر اور چڑھتا ہے

ظالموں کی شدت پر
ظلم چیخ اٹھتا ہے
ان کے لب نہیں ہلتے
ان کے سر نہیں جھکتے
دل سے آہ کے بدلے
اک صدا نکلتی ہے
انقلاب زندہ باد
انقلاب ساماں ہے
ہند کی فضا ساری
نزع کے ہے عالم میں
یہ نظام زرداری

وقت کے محل میں ہے
جشن نو کی تیاری
جشن عام جمہوری
اقتدار مزدوری
غرق آتش و آہن
بے بسی و مجبوری
مفلسی و ناداری

تیرگی کے بادل سے
جگنوؤں کی بارش ہے
رقص میں شرارے ہیں
ہر طرف اندھیرا ہے
اور اس اندھیرے میں
ہر طرف شرارے ہیں
کوئی کہہ نہیں سکتا
کون سا شرارہ کب
بے قرار ہو جائے
شعلہ بار ہو جائے
انقلاب آ جائے